

خطباتِ مکیّہ

عَلَامَةُ سَيِّدِ سُلَيْمَانَ نَدَوِي

مَجْلِسُ بَارِ اِسْلَامِ
۱۔ کے۔ ۳ ناظم آباد مینشن ناظم آباد علی گڑھ

خُطَبَاتِ مَدْرَاسُ

یعنی

سیرتِ نبویؐ

کے

مختلف پہلوؤں پر وہ

آٹھ خطبے

جنکو

سید سلیمان ندوی

نے

اکتوبر اور نومبر ۱۹۲۵ء میں مدراس کے انگریزی مدرسوں
کے طالب علموں اور عام مسلمانوں کے سامنے لالی ہال (مدراس)
میں ہفتے وار دیا۔

فہرست

خطبات مدراس

۶	_____	دیباچہ طبع سوم
۸	_____	دیباچہ طبع اول
۱۱	_____	تمہید
۱۳	_____	پہلا خطبہ : انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں سے ہو سکتی ہے۔
۳۰	_____	دوسرا خطبہ : عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔
۵۰	_____	تیسرا خطبہ : سیرت محمدیؐ کا تاریخی پہلو۔
۷۶	_____	چوتھا خطبہ : سیرت محمدیؐ کا تکمیلی پہلو۔
۹۸	_____	پانچواں خطبہ : سیرت محمدیؐ کی جامعیت
۱۲۱	_____	چھٹا خطبہ : سیرت محمدیؐ کا عملی پہلو یا عملیت
۱۵۰	_____	ساتواں خطبہ : پیغمبر اسلام علیہ السلام کا پیغام
۱۷۲	_____	آٹھواں خطبہ : پیغام محمدیؐ (عمل)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

طبع سوّم

خدا کا شکر ہے کہ ان خطبات کو جو سرسری طور پر لکھے گئے تھے، حد سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور مسلمانوں کے ہر طبقہ میں وہ یکساں ذوق و شوق کے ساتھ سے لئے گئے اور عقیدت کی آنکھوں سے پڑھے گئے مدرسوں میں، اسکولوں میں، مجلسوں میں ہر جگہ وہ پڑھے جاتے ہیں، اور ان سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، یہ جو کچھ ہے وہ خداوند تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

اس کتاب کے بعض خطبوں میں سیرۃ محمدیؐ کا دوسرے انبیاءؑ کے کرام علیہم السلام کی سیرتوں سے مقابلہ و موازنہ ہے، گو وہ تِلْكَ الرَّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ کے اصول سے صحیح بھی ہوں تاہم ان موقعوں پر یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ وہ غیر مذہب والوں کے مقابلہ میں الزامی طور پر ہیں اور وہ ان انبیاءؑ کی ان سیرتوں کو سامنے رکھ کر کہا گیا ہے، جو اُن کے ماننے والے مانتے اور ان کی طرف منسوب آسمانی صحیفوں میں مذکور ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ ہر نبی اسلام کی نگاہ میں کامل و بے عیب اور معصوم تھا، اور ان میں سے ہر ایک کی اصلی سیرتیں حسب استعداد و اقتلا

زمانہ باہم گو کسی قدر مختلف ہوں تاہم وہ ہر اعتراض سے بری اور ہر خردہ گیری سے بالاتر ہیں۔

یہ خطبات پہلے پہل ۱۹۲۶ء میں میری غیر حاضری میں جب میں حجاز میں تھا میرے کٹے پھٹے مسودہ سے چھپے تھے، دوسری دفعہ بھی یہی ہوا، اب اس تیسرے ایڈیشن میں موقع ملا کہ اس پر نظر ثانی کی جاسکے، اس پر بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ایک عاجز انسان کی ہر جنبش قلم ہر اعتراض اور حرف گیری سے پاک ہو سکتی ہے، رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔

خاکسار

سید سلیمان ندوی

۲۷ شعبان ۱۳۵۵ھ

۱۲ نومبر ۱۹۲۶ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

طبع اول

آئندہ صفحات میں سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر چند خطبات (لکچر) ہیں جو جنوبی ہند کی ”اسلامی تعلیمی انجمن“ کی فرمائش سے اکتوبر اور نومبر ۱۹۲۵ء میں دئے گئے تھے، مدراس میں کچھ برسوں سے ایک امریکن عیسائی کی فیاضی سے مدراس یونیورسٹی کے طلبہ کے سامنے کوئی نہ کوئی ممتاز عیسائی فاضل حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و سوانح اور مسیحی مذہب کے متعلق چند عالمانہ خطبے دیتا ہے، یہ خطبے سال بسال ہوتے ہیں اور نہایت دلچسپی سے سنے جاتے ہیں، یہ دیکھ کر مدراس کے چند مخلص تعلیمی کارفرما مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ یہاں کے انگریزی مدراس کے مسلمان طالب علموں کے لئے بھی مسلمانوں کی طرف سے اسی قسم کی کوشش کی جائے یعنی سال بہ سال کسی مسلمان فاضل کے خدمات حاصل کی جائیں جو اسلام اور پیغمبر اسلام پر طلباء سے انگریزی کے ذوق اور موجودہ رنگ کے مطابق خطبات دے سکے۔

خوش قسمتی سے اس کام کے مالی پہلو کی کفالت کے لئے مدراس میں ایک ایسی ہستی مل گئی جس نے ہر طرح اس کی ضمانت کر لی، یہ سیٹھ ایم جمال محمد صاحب کی ذات تھی جن کی فیاضی سے مدراس کی متعدد تعلیمی درسگاہیں سیراب ہو رہی ہیں امید ہے کہ موصوف کا اسلامی دور اس سلسلہ کو تادیر قائم رکھنے کی تدبیر میں آئندہ بھی مصروف رہے گا۔ اور خطبات اسلامیہ مدراس کا یہ سلسلہ یورپ کے مشہور خطبات کے سلسلوں کی طرح بہت مفید اور شہرت پذیر ہوگا۔

یہ میری سعادت ہے کہ اس اہم اور مقدس کام کے لئے سب سے پہلے میری حقیر ذات کا انتخاب عمل میں آیا اور اس طرح مجھے موقع ملا کہ میں اس عظیم الشان سلسلہ کی پہلی کڑی بن سکوں، یہ خطبہ مدراس کے لالی ہال میں مغرب کے بعد ہر ہفتہ اور بعض ہفتہ میں دو دفعہ دیئے گئے، اور اس طرح یہ آٹھ خطبے اکتوبر ۱۹۲۵ء کے پہلے ہفتہ سے شروع ہو کر نومبر ۱۹۲۵ء کے آخری ہفتہ میں ختم ہوئے، سیٹھ حمید حسن صاحب ناظم مجلس کا شکر گزار ہوں کہ ان خطبات کے لئے ہر قسم کا اہتمام اعلان اور ان کے انگریزی ترجمہ کا کام انہوں نے انجام دیا، مدراس کی مسلمان پبلک کامنوں ہوں کہ اس خشک بیان کو جو کبھی ڈوڈو اور تین تین گھنٹے تک جاری رہا، انہوں نے صبر و تحمل سے سنا اور اس کی قدر کی غیر مسلم حضرات بھی شکر یہ کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے باوجود اردو آسانی سے نہ سمجھ سکنے کے حقیقت کی جستجو کے لئے ان جلسوں میں شرکت کی۔

مدراس کے اردو اور انگریزی اخبارات کا بھی شکر گزار ہوں، جنہوں نے ہر ہفتہ ان خطبوں کا خلاصہ اپنے کالموں میں شائع کیا، اخبار ہندو اور ڈیلی اسپیرس مدراس خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، جنہوں نے فیاضی کے ساتھ اپنے کالم ان خطبوں کی انگریزی تلخیص کی اشاعت کے لئے وقف کئے۔

آخر میں ان خطبات کو اوراق کی شکل میں ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہوئے

درگاہ الہی میں سر بسجود ہوں کہ وہ اس عقیدت کے نذرانہ کو قبول فرمائے اور اخلاص
توفیق کی نعمت سے ان کے محرک کو مالا مال کرے۔

امیدوارِ رحمت

سید سلیمان ندوی

دیس نہ بہار
دسمبر ۱۹۲۵ء

تمہید

حضرات آج پندرہ برس کے بعد مجھے موقع ملا ہے کہ میں آپ کی تعلیمی انجمن ”مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن آف انڈیا“ کی طلب پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور یہاں اگر آپ کے سامنے سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر خطبے دوں، یہ آٹھ خطبے ہوں گے جو مختلف آٹھ صحبتوں میں آپ کے سامنے پیش ہوں گے، ان کی ترتیب یہ ہوگی۔

- ۱۔ انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں سے ہو سکتی ہے۔
- ۲۔ عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔
- ۳۔ سیرۃ نبویؐ کا تاریخی پہلو۔
- ۴۔ سیرۃ نبویؐ کی کاملیت۔
- ۵۔ سیرۃ نبویؐ کی جامعیت۔
- ۶۔ سیرۃ نبویؐ کی علمیت۔
- ۷۔ اسلام کے پیغمبر کا پیغام۔
- ۸۔ ایمان اور عمل۔

مدرسہ نے اپنے نوجوان فرزندوں کو ایک ”سلسلہ خطبات اسلامیہ“ کی ذریعہ مذہب سے واقف کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ یقیناً ہندوستان کے صوبوں میں

ہماری اسلامی تعلیمی انجمنوں کا اس راہ میں پہلا قدم ہے، مدراس کی سرزمین پورے ہندوستان میں سب سے پہلا صوبہ ہے، جہاں اسلام کی شعا عین سب سے پہلے آکر چمکیں، اور یہ اس وقت ہوا جب ہندوستان کے کسی گوشہ میں بھی اسلام کے کسی سپاہی کا قدم نہیں پڑا تھا۔ ”معجزہ شق القمر“ کے چاند کی روشنی تھی، جو بحر عرب سے گزر کر بحر ہند کے اس ساحل تک پہنچی اور دلوں کو روشن کر گئی، تحفۃ المجاہدین کی یہ روایت اگر صحیح ہے جس کی تائید ہمارے نو مسلم دوست ڈاکٹر غلام محمد کے بیان سے ہوتی ہے کہ انہوں نے خود مدراس میں آکر ہندوؤں کی ایک قلبی سنسکرت کتاب میں بھی اس واقعہ کو بعینہ درج پایا ہے اور جس کو انہوں نے چھپوا بھی دیا ہے تو ہمیں اس حالت میں مدراس کی ایک اسلامی تعلیمی انجمن کی اس قابل رشک سبقت پر کوئی تعجب نہیں ہے کہ مدراس کو اسلام کی خدمات میں پہل کرنے کا تاریخی حق، آج سے نہیں، بلکہ تیرہ سو برس پہلے سے پہنچتا ہے، امید ہے کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی اسلامی تعلیمی انجمنیں اس کی تقلید کریں گی۔

حضرات! میں اس وقت آپ کے سامنے اُردو میں تقریر کر رہا ہوں، گو اُردو نے ہندوستان میں اتنی ترقی کر لی ہے کہ وہ ملک کے ہر گوشہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے تاہم میں محسوس کرتا ہوں کہ مدراس کے لئے مناسب یہ تھا کہ یہ لکچر انگریزی میں ہوتے، تاکہ ان کے فائدہ کا دائرہ زیادہ وسیع ہوتا اور وہ بھی اس میں شریک ہو سکتے اور دلچسپی لے سکتے جو اُردو بالکل نہیں سمجھتے۔ اسی سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ علماء پر آج انگریزی کا جاننا بھی فرض ہو گیا ہے، خدا کرے وہ دن آئے جب ہمارے علماء خدا کا پیغام خدا کی ہر بنائی ہوئی زبان میں دنیا کو پہنچا سکیں۔

پہلا خطبہ

انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام علیہم کی سیرتوں سے ہو سکتی ہے

دنیا کا یہ طلسمی کارخانہ رنگارنگ عجائبات سے معمور ہے، قسم قسم کی مخلوقات ہیں ہر مخلوق کی علیحدہ علیحدہ صفیتیں اور خاصیتیں ہیں، جمادات سے لے کر انسان تک اگر نظر ڈالئے تو معلوم ہو گا کہ بتدریج اور آہستہ آہستہ ان میں احساس، ادراک اور ارادہ کی ترقی ہوئی ہے، جمادات کی ابتدائی قسم مثلاً ذرات (ایٹمز) یا ایتھر ہر قسم کے احساس، ادراک اور ارادہ سے خالی ہے، جمادات کے اور اقسام میں ایک طرح کی زندگی کا ہلکا سا نشان ملتا ہے۔ نباتات میں احساس کی ایک غیر ارادی کیفیت نشوونما کی صورت میں جلوہ گر معلوم ہوتی ہے۔ حیوانات میں احساس کے ساتھ ارادہ کی حرکت بھی ہے انسان میں احساس و ادراک اور ارادہ ہماری تمام ذمہ داریوں کا اصلی سبب ہے، مخلوق کی جس صنف میں جس حد تک یہ چیزیں کم ہیں اسی حد تک وہ ارادی فرائض کی ذمہ داریوں سے آزاد ہیں۔ جمادات سرے سے ہر قسم کے فرائض سے محروم ہیں۔ نباتات میں زندگی اور موت کے کچھ فرائض پیدا ہو جاتے ہیں۔

حیوانات میں کچھ اور فرائض بڑھ جاتے ہیں، انسانوں کو دیکھئے تو وہ فرائض کی پابندیوں سے سرسبز جگڑا ہوا ہے، پھر انسان کے مختلف افراد پر نظر ڈالئے تو مجنون پاگل، بیوقوف، بچے ایک طرف اور عاقل، بالغ، دانا، ہشیار اور عالم دوسری طرف اسی ادراک اور ارادہ کی کمی و بیشی کے لحاظ سے اپنے اپنے فرائض کچھ نہیں رکھتے یا کم رکھتے ہیں یا بہت زیادہ رکھتے ہیں۔

دوسری حیثیت سے دیکھئے کہ جس مخلوق میں احساس ادراک اور ارادہ کی جتنی کمی ہے اتنی ہی فطرت اور قدرت الہی اس کی پرورش اور نشوونما کے فرائض کا بار خود اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہے اور جیسے جیسے مخلوقات آنکھیں کھولتی جاتی ہے، فطرت اس با کو اس کے احساس و ادراک و ارادہ کے مطابق ہر صنفِ مخلوق پر ڈالتی جاتی ہے۔ پہاڑوں کے لعل و گہر کی پرورش کون کرتا ہے؟ سمندر کی مچھلیوں کو کون پالتا ہے؟ جنگل کے جانوروں کی غور و پرداخت کا فرض کون انجام دیتا ہے؟ حیوانات کی بیماری اور گرمی سردی کی دیکھ بھال کون کرتا ہے؟ یہاں تک کہ سردیا گرم مقامات کے رہنے والے حیوانوں اور پہاڑی، جنگلی اور صحرائی جانوروں میں بھی باوجود ایک ہی قسم کی نوعِ حیوان ہونے کے آب و ہوا کی مختلف ضروریات کی بنا پر آپ ان کی ظاہری حالتوں میں صریح فرق پائیں گے، یورپ کے کتے اور افریقہ کے کتے کی ضرورتوں میں موسم اور آب و ہوا کے اختلاف کے سبب سے جو اختلاف ہے اس کا سامان بھی فطرت خود اپنی طرف سے کرتی ہے اور اسی لئے مختلف آب و ہوا اور موسم کے ملکوں کے جانوروں میں پنجہ، بال، روئیں، کھال کے رنگ اور اور چیزوں میں سخت اختلافات پائے جاتے ہیں۔

یہ تو حصولِ منفعت کی صورتیں اور شکلیں تھیں۔ جن سے آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ جہاں جس حد تک احساس، ادراک اور ارادہ کی کمی ہے، فطرت اور قدرت خود

اس کی کفالت کر لیتی ہے، اور جیسے جیسے مخلوقات الہی درجہ بدرجہ بلوغ کے مرتبہ کو پہنچتی جاتی ہیں فطرت منافع کی صورتیں خود ان کے قوی کے سپرد کر کے علیحدہ ہوتی جاتی ہے۔ انسان کو اپنی روزی کا سامان آپ کرنا پڑتا ہے، وہ کاشتکاری اور درختوں کے لگانے اور میوؤں کے پیدا کرنے کی محنت اٹھاتا ہے۔ سردی گرمی سے بچنے کے لئے اس کو فطری کھال، روئیں اور فون نہیں دیئے گئے۔ اس لباس کا انتظام مختلف لباسوں کی شکل میں اس کو خود کرنا ہوتا ہے، بیماریوں اور زخموں کو دور کرنے کے لئے اس کو خود کوشش کرنی پڑتی ہے۔

دوسری طرف دیکھئے کہ جہاں جس حد تک احساس اور ارادہ کا ضعف ہے دشمنوں سے بچاؤ اور زندگی کی حفاظت کا سامان فطرت نے خود اپنے ذمہ لے لیا۔ مختلف جانوروں کو ان کی حفاظت کے لئے مختلف ذریعے دیئے گئے ہیں، کسی کو تیز پنچے، کسی کو نکیلے دانت، کسی کو سینک، کسی کو اڑنا، کسی کو تیز دوڑنے کی قوت، کسی کو ڈنک، کسی کو دانتوں کا زہر، غرض مختلف آلات واسلحہ سے خود فطرت نے ان کو مسلح کر دیا ہے، مگر غریب انسان کو دیکھو کہ اس کے پاس اپنے بچاؤ کے لئے نہ ہاتھی کے بڑے بڑے دانت اور سونڈ ہیں، نہ شیروں کے نکیلے دانت اور پنچے، نہ بیلوں کے سینک، نہ کتوں اور سانپوں کا زہر، نہ بچھوؤں اور بھڑوں کے ڈنک، غرض ظاہری حیثیت سے وہ ہر طرح نہتہا اور غیر مسلح بنایا گیا ہے، مگر ان سب کی جگہ اس کو احساس، ادراک، تعقل اور ارادہ کی زبردست قوتیں دی گئی ہیں اور یہی معنوی قوتیں، اُس کی ہر قسم کی ظاہری کمزوریوں کی تلافی کرتی ہیں، وہ اپنی ان معنوی قوتوں سے بڑے بڑے دانتوں اور سونڈوں والے ہاتھیوں کو زیر کر لیتا ہے، تیز پنچے اور بڑے بڑے جبرے والے شیروں کو چیر ڈالتا ہے، خوفناک زہریلے سانپوں کو پکڑ لیتا ہے، ہوا کے پرندوں کو گرفتار کر لیتا ہے، پانی کے

جانوروں کو پھنسا لیتا ہے اور اپنے بچاؤ کے لئے سینکڑوں قسم کے ہتھیار، اسلحہ اور سامان پیدا کرتا رہتا ہے۔

دوستو! تم خواہ کسی مذہب اور کسی فلسفہ کے معتقد ہو، تم کو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ تمہاری انسانی ذمہ داریوں کا اصلی سبب، تمہارے احساس، ادراک، تعقل اور ارادہ کی قوتیں ہیں۔ اسلام میں ان ذمہ داریوں کا شرعی نام تکلیف ہے، یہ تکلیف خود تمہارے اندرونی اور بیرونی قوی کے مطابق تم پر عائد ہے، اسلام کا خدایہ اصول بتاتا ہے:

لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا، خدا کسی نفس کو ”تکلیف“ نہیں دیتا
(بقرہ: رکوع ۲۰) لیکن اس کی وسعت کے مطابق،

یہی ”تکلیف“ کی ذمہ داری اور فرض ہے جو دوسری جگہ ”امانت“ کے لفظ سے قرآن میں ادا ہوا ہے یہ امانت کا بار جادات، نباتات، حیوانات، بلکہ بڑے پہاڑوں اور اونچے آسمانوں کے سلسلے میں پیش کیا گیا، لیکن ان میں سے کوئی اس کو اٹھانہ سکا۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ
يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا
الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا۔
ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں
پر اس امانت کو پیش کیا تو انہوں نے
(فطری عدم صلاحیت کی بنا پر زبان حال
سے) اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور
اھس سے ڈرے، پھر انسان نے اس کو
اٹھالیا بیشک وہ ظالم اور نادان تھا۔

(احزاب: ۹)

آسمان بار امانت تو انست کشید
قرعہ فال بشام من دیوانہ زدند

”ظالم“ و ”نادان“، ”دیوانہ عشق“ کی دوسری تعبیر ہے۔ ”ظالم“ یعنی اپنی حد سے آگے بڑھ جانے والا۔ یہ صفت انسان کی عملی قوت کی بے اعتدالی کا اور ”جہل“ نادان، ہونا اس کی عقلی و ذہنی قوت کی بے اعتدالی کا نام ہے ”ظلم“ کا مقابل ”عادل“ اور ”جہول“ کا مقابل ”عالم“ ہے ”عدل“ اور ”علم“ جو بالفعل انسان کو حاصل نہیں، ان کو حاصل کرنے کے لئے اس کو عملی قوت میں عدل یعنی میانہ روی اور اعتدال اور ذہنی قوت میں ”علم“ اور معرفت کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں عدل کا دوسرا نام ”عمل صالح“ اور علم کا دوسرا نام ”ایمان“ ہے۔ وَالْعَصْرُ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ خَشِيرٌ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ۔ میں ہے لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے

(العصر)

یہ نقصان اور گھٹا، وہی ظلم علمی اور جہل علمی ہے، اور اس کا علاج ”ایمان“ یعنی علم صحیح اور ”عدل“ یعنی عمل صالح ہے، اس واقعہ کی شہادت میں کہ انسانیت اس وقت تک گھٹے اور ٹوٹے میں ہے جب تک اس کو ایمان اور عمل صالح کی توفیق نہ ملے۔ اللہ تعالیٰ نے زمانہ کو پیش کیا ہے، زمانہ سے مقصود وہ واقعات، حوادث اور آثار ہیں جو زمانہ کے آغاز سے آج تک دنیا میں ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ کارلائل کے مشہور فقرہ کے مطابق ”تاریخ صرف بڑے لوگوں کی سوانح عمریوں کے سلسلہ کا نام ہے“ زمانہ کی تاریخ خود اس بات پر گواہ ہے کہ دنیا میں وہ تمام قومیں اور قوموں کے وہ تمام افراد ہمیشہ گھٹے اور ٹوٹے میں رہے ہیں اور برباد و ہلاک ہوئے ہیں، جو ایمان اور عمل صالح سے محروم تھے۔

دنیا کے تمام آسمانی صحیفے، تمام مذہبی کتابیں، تمام اخلاقی قصے اور انسانوں

کے بننے اور بگڑنے کی تمام حکایتیں ظلم و جہل اور ایمان و عمل صالح کی دو رنگیوں سے معمور ہیں۔ ایک طرف ظلم، جہل، شر، تاریکی۔ دوسری طرف عدل، عمل صالح، خیر اور نور کی حکایتیں، داستانیں اور تاریکیں ہیں، اور جن افراد نے ان انسانی ذمہ داریوں کو قبول کیا۔ ان کی تعریف اور جنہوں نے ان سے انکار کیا ان کی بُرائی کے بیانات ہیں، یونانی الیڈ، رومی پیر لال لائوز، ایرانی شاہنامہ، ہندی مہا بھارت اور رامائن اور گیتا کیا ہیں؟ ہر قوم کے سامنے اس کے بڑے اشخاص اور اکابر رجال کی زندگیوں سے علم و جہل، ظلم و عدل، خیر و شر اور ایمان و کفر کی معرکہ آرائیوں کی عبرت آموز مثالیں ہیں تاکہ ہر قوم ظلم، شر اور کفر کے بُرے نتیجوں سے بچ سکے۔ عدل، خیر اور ایمان کی مثالوں سے فائدہ اٹھائے۔

تورات، انجیل، زبور اور قرآن پاک کے بیشتر مضامین کیا ہیں؟ ظالم، شریر اور کافر قوموں اور افراد کی تباہی اور عادل، نیک اور مومن قوموں اور افراد کی سعادت اور فلاح و کامیابی کی نظریں، تاکہ ان کو سن کر ظالم عادل بنیں، شریر نیک ہوں اور کافر مومن بن جائیں۔ اسی لئے خاتم النبیین علیہ السلام سے پہلے ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں اللہ کے پیغمبر اور فرستادے آئے کہ وہ اپنی اپنی قوموں کے سامنے اپنی زندگی نمونے کے طور پر پیش کریں، تاکہ ان کی پوری قوم یا اس کے نیک افراد فلاح اور کامیابی حاصل کریں اور آخر میں آنحضرتؐ کو ”رحمتِ عالم“ بنا کر بھیجا گیا تاکہ وہ تمام عالم کے لئے دنیا میں اپنی زندگی کا نمونہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن مجید نے یہ اعلان کیا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ
تو (اے قریشیوں) میں اس (دعوئے نبوت سے پہلے تمہارے درمیان ایک
أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔

عمر رہا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے۔

اس آیت پاک میں درحقیقت وحی الہی نے خود اپنے پیغمبر کی سوانح عمری اور سیرت کو اس کی نبوت کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

بہر حال تاریخ کی دنیا میں ہزاروں لاکھوں اشخاص نمایاں ہیں، جنہوں نے آنے والوں کے لئے اپنی اپنی زندگیاں نمونہ کے طور پر پیش کی ہیں۔ ایک طرف شاہان عالم کے باشان و شکوہ دربار ہیں۔ ایک طرف سپہ سالاروں کے جنگی پرے ہیں۔ ایک طرف حکماء اور فلاسفوں کا متین گروہ ہے۔ ایک طرف فاتحین عالم کی پر جلال صفیں ہیں۔ ایک طرف شہسوار کی بزم رنگیں ہے۔ ایک طرف دو تہذیبوں اور خزانوں کے مالکوں کی نرم گدیاں اور کھٹکھٹاتی تجوریاں ہیں ان میں سے ہر ایک کی زندگی آدم کے بیٹوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے، کار بھج کا ہینبالی، مقدونیہ کا اسکندر، روم کا سیزر، ایران کا دارا، یورپ کا نیولین، ہر ایک کی زندگی ایک کشش رکھتی ہے۔ سقراط، افلاطون، ارسطو، دیوجانیس، اور یونان کے دوسرے مشہور فلسفیوں سے لے کر اسپنسر تک تمام حکماء اور فلاسفوں کی زندگیوں میں ایک خاص رنگ نمایاں ہے، خرد و فرعون اور ابو جہل و ابو لہب کی دوسری شخصیتیں ہیں، قارون کی ایک الگ زندگی ہے۔ غرض دنیا کے ایسے ہزاروں قسم کی زندگیوں کے نمونے ہیں جو بنی آدم کی علمی زندگی کے لئے سامنے ہیں لیکن بتاؤ کہ ان مختلف اصناف انسانی میں سے کس کی زندگی نوع انسان کی سعادت فلاح اور ہدایت کی ضامن اور کفیل اور اس کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے۔

ان لوگوں میں بڑے بڑے فاتح اور سپہ سالار ہیں جنہوں نے اپنی تلوار کی نوک سے دنیا کے طبقے الٹ دیئے ہیں، لیکن کیا انسانیت کی فلاح و ہدایت کے لئے انہوں نے کوئی نمونہ چھوڑا؟ کیا ان کی تلوار کی کاٹ میدان جنگ سے

آگے بڑھ کر انسانی ادھام و خیالات فاسدہ کی بیڑیوں کو بھی کاٹ سکی؟ انسانوں کے باہمی برادرانہ تعلقات کی گتھی بھی سلجھا سکی؟ انسانی معاشرت کا کوئی خاکہ پیش کر سکی؟ ہماری روحانی مایوسیوں اور ناامیدیوں کا کوئی علاج بتا سکی؟ ہمارے دلوں کی ناپاکی اور زنگ کو مٹا سکی؟ ہمارے اخلاق اور اعمال کا کوئی نقشہ بنا سکی؟ دنیا میں بڑے بڑے شاعر بھی پیدا ہوئے ہیں، لیکن خیالی دنیا کے یہ شہنشاہ علی دنیا میں بالکل بیکار ثابت ہوئے۔ اسی لئے افلاطون کے مشہور نظام حکومت میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی۔ ہوتر سے لے کر آج تک فوری جوش و ہنگامہ کی پیدائش اور خیالی لذت و الم کی افزائش کے سوانسل انسانی کو اس کی زندگی کے مشکلات دور کرنے کے لئے یہ لوگ کوئی صحیح مشورہ نہ دے سکے، کیونکہ ان کی شیریں زبانوں کے پیچھے ان کے حسن عمل کا کوئی خوشنامہ نہ تھا۔ اسی لئے قرآن پاک نے کہا:

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝
 أَلَمْ نَرَا تَهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝
 وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝
 إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 اور شاعران کی پیروی بہکے ہوئے لوگ کرتے ہیں، کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں، اور وہ جو کہتے ہیں اس کو کرتے نہیں لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے۔ (شعراء: ۱۱-۱۰)

قرآن پاک نے ان کی شیریں زبانی کے بے اثر ہونے کا فلسفہ بھی بتا دیا کہ وہ خیالات کی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں اور ایمان و عمل صالح کے جوہر سے خالی ہوتے ہیں، لیکن اگر وہ اس دولت سے مالا مال ہوں تو کچھ نہ کچھ ان کی باتوں میں ضرور اثر ہو گا تاہم وہ اصلاح و ہدایت کے عظیم الشان فریضہ کو ادا نہیں کر سکتے دنیا کی تاریخ خود اس واقعہ پر گواہ ہے۔

حکما اور فلاسفر جنہوں نے بارہا اپنی عقل رسا سے نظام عالم کے نقشہ بدل دیئے ہیں، جنہوں نے عجائبات عالم کی طلسم کشائی کے حیرت انگیز نظریے پیش کئے ہیں، وہ بھی انسانیت کے نظام ہدایت کا کوئی عملی نقشہ پیش نہ کر سکے اور نہ فرائض انسانی کی طلسم کشائی میں کوئی عملی امداد دے سکے، کہ ان کی دقیق نکتہ بینیوں اور بلند خیالیوں کے پیچھے بھی حسن عمل کا کوئی نمونہ تھا، ارسطو نے فلسفہ اخلاق کی بنیاد ڈالی، ہر یونیورسٹی میں اس کے آئینکس پر بہترین لکچر دیئے جاتے ہیں اور اخلاقی مسائل میں اس کی نکتہ آفرینیوں کی داد دی جاتی ہے لیکن سچ بتاؤ اس کو بڑھ کر یا سن کر نوع انسانی کے کتنے افراد راہ راست پر آئے، آج دنیا کی ہر یونیورسٹی میں آئینکس کے بڑے بڑے لائق پروفیسر اور اساتذہ موجود ہیں مگر ان کے علم اخلاق کے فلسفیانہ رموز و اسرار کا دائرہ اثر ان درسگاہوں کی چار دیواریوں سے کبھی آگے بڑھ سکیا بڑھ سکتا ہے؟ اس لئے کہ جب ان کمروں سے نکل کر وہ باہر میدان میں آتے ہیں تو ان کی عملی زندگی عام افراد انسانی سے ایک اپرغ بھی بلند نہیں ہوتی اور انسان کانوں سے نہیں آنکھوں سے بنتا ہے۔

دنیا کے ایٹم پر بڑے بڑے بادشاہ اور حکمران بھی رونما ہوئے ہیں جنہوں نے کبھی کبھی چار دانگ عالم پر حکومت کی ہے، قوموں کی جان و مال پر قابض ہوئے ہیں، ایک ملک کو اجاڑا اور دوسرے کو بسایا ہے ایک قوم کو گھٹایا اور دوسری کو بڑھایا ہے، ایک سے بھینٹا اور دوسرے کو دیا ہے، مگر ان کا عام نقشہ وہی رہا جس کو قرآن پاک نے ایک آیت میں ملکہ سبا کی زبان سے ادا کیا ہے۔

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا مَقْرِيَةً
أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا آيَةَ أَهْلِهَا
آذْلَةً ۚ (سبا: ۳۷)

بے شک بادشاہ جب کسی آبادی میں
داخل ہوتے ہیں تو اس کو بگاڑ دیتے ہیں
اور وہاں کے معزز باشندوں کو ذلیل

کر دیتے ہیں۔

ان کی تلواروں کی دھاک نے آبادیوں اور جمعوں کے مجرموں کو روپوش کر دیا لیکن تنہائیوں اور خلوت خانوں کے روپوش مجرموں کو وہ باز نہ رکھ سکی، انہوں نے بازاروں اور راستوں میں امن وامان قائم کیا، لیکن دلوں کی بستی میں وہ امن وامان قائم نہ کر سکے، انہوں نے ملک کا نظم و نسق درست کیا، لیکن روجوں کی مملکت کا نظم و نسق ان سے درست نہ ہو سکا، بلکہ ہر قسم کی روحانی بربادی انہی کے درباروں سے نکل کر ہر جگہ پھیلی رہی، کیا سکندر اور سیزر جیسے بڑے بڑے بادشاہ بھی ہمارے لئے کچھ چھوڑ گئے؟

بڑے بڑے مقنن سولن سے لے کر اس وقت تک پیدا ہوئے ہیں، لیکن ان کے قانون کی عمر نے بقا کی دولت نہ پائی اور اس کے ماننے والوں کو دل کی صفائی کا راز نہ ملا۔ دوسرے دور کے حاکموں اور عدالتوں نے خود اس کو حرفِ غلط سمجھ کر مٹا دیا اور اپنی مرضی اور اپنی مصلحتوں کے مطابق، نہ کہ انسانوں کی اصلاح کی خاطر اس کی جگہ دوسرا قانون بنالیا اور آج بھی یہی حالت قائم ہے۔ آج بھی اس مہذب دور حکومت میں یہی صورت قائم ہے کہ آئین ساز مجلسیں بنائی گئی ہیں جو اپنے ہر اجلاس میں آج جو بناتی ہیں کل اس کو مٹاتی ہیں اور یہ سب کچھ انسانوں کی خاطر نہیں بلکہ حکومتوں کی خاطر ہوتا رہتا ہے۔

عزیز دوستو! تم نے صنفِ انسانی کے بلند پایہ طبقوں میں سے جن سے انسانوں کی بھلائی اور سدھار کی توقعات ہو سکتی ہیں، ہر ایک کا جائزہ لے لیا، غور سے دیکھو! اس وقت دنیا میں جہاں کہیں بھی نیکی کی روشنی، اور اچھائی کا نور ہے، جہاں کہیں بھی خلوص اور دل کی صفائی کا اُجالا ہے، کیا وہ صرف انہی بزرگوں کی تعلیم اور ہدایت کا نتیجہ نہیں ہے جن کو تم انبیائے کرام کے نام سے جانتے ہو؟

پہاڑوں کے غار، جنگلوں کے بھنڈ، شہروں کی آبادیاں، غرض جہاں بھی جم انسا
 غریبوں کی مدد مہتمیوں کی پرورش اور نیکیوں کا سراغ ملتا ہے وہ اسی برگزیدہ
 جماعت کے کسی نہ کسی فرد کی دعوت اور پکار کا دائمی اثر ہے قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق :-
 وَإِنْ مِنْ أَهْلِهِ إِلَّا خَلَدٌ فَيَمْنَنْدِيزُ اور کوئی قوم نہیں جس میں کوئی انسانوں کا
 (دفاط) ہشیار کرنے والا نہ گذرا ہو۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد) اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہے۔
 آج ہر قوم اور ہر ملک میں انہی کی برکتوں کا اجمالاً نظر آتا ہے اور ہر طرف
 ان ہی کی پکاروں کی بازگشت سنائی دیتی ہے، افریقہ کے وحشی ہوں، یا یورپ
 کے مہذب، سب کے دلوں کی صفائی انہیں کے سرچشموں سے ہوتی ہے اور
 ہو رہی ہے، اوپر جتنے بلند پایہ اور عالی رتبہ انسانی طباقوں کے نام آئے ہیں،
 ان میں سب سے بلند اور سب سے اعلیٰ وہ طبقہ جو بادشاہوں کی طرح جموں
 پر نہیں بلکہ دلوں پر حکومت کرتا ہے اس کی حکمرانی کی زمین دنیا کی مملکت نہیں
 بلکہ دلوں کی مملکت ہے جو گو سپہ سالاروں کی طرح تیغ بکت نہیں، تاہم وہ گناہوں
 کے پرے اور آلودگیوں کی صفیں دم کے دم میں اٹھ دیتا ہے، وہ گویا بی شاعر
 نہیں، لیکن اس کی شیریں بیانیوں کے ذائقہ سے اب تک انسانوں کے کام و
 دہن لطف اٹھا رہے ہیں، وہ گویا ہر طور پر قانون ساز مجلسوں کے سینئر نہ تھے،
 لیکن صد ہا اور ہزار ہا سال گزر جانے کے بعد بھی ان کا قانون اسی طرح زندہ ہے
 جو خود حاکموں اور عدالتوں پر حکمران ہے اور بلا تفریق شاہ و گدا اور بادشاہ و رعایا
 سب پر یکساں جاری ہے۔

یہاں مذہب اور اعتقاد کا سوال نہیں، بلکہ عملی تاریخ کا سوال ہے کہ
 آیا یہ واقعہ ہے یا نہیں؟ پاٹلی پتر کے راجہ اشوکا کے احکام صرف پتھر کی لاٹوں

پرکندہ ہیں، مگر بودھ کا حکم دلوں کی تختیوں پر منقوش ہے، اجیتن، ہستنا پور (دہلی)، اور قنوج کے راجاؤں کے احکام مٹ چکے ہیں، لیکن منوجی کا دھرم شاستر اب تک نافذ اور جاری ہے۔ بابل کے سب سے پہلے قانون ساز بادشاہ حمورابی کی قانونی دفعات مدت ہوئی کہ مٹی کے ڈھیر میں دفن ہو گئیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم آج بھی موجود ہے، فرعون کی ندائے اَنَا رَبُّکُمْ اَلَا عَلَّیَّ کے دن قائم رہی مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعجاز کا آج بھی زمانہ معترف ہے۔ سولن کے بنائے ہوئے قانون کے دن چل سکے، مگر تورات کا آسمانی قانون آج بھی انسانوں میں عدل کی ترازو ہے، وہ رومن لاجس نے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو عدالت میں گنہگار ٹھہرایا تھا، صدیاں گزریں کہ معدوم ہو چکا، مگر حضرت عیسیٰ کی تعلیم و ہدایت آج بھی گنہگاروں کو نیک اور مجرموں کو پاک بنانے میں اسی طرح مصروف ہے۔ مکہ کے ابو جہل، ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر کی حکومتیں مٹ گئیں، مگر شہنشاہ مدینہ کی فرماں روائی بدستور قائم اور مسلم ہے۔

دوستو! میرے گزشتہ بیانات نے اگر تمہارے دلوں میں تشفی کا کوئی اثر پیدا کیا ہے، تو صرف اپنے عقیدہ سے نہیں، بلکہ عقلی استدلال اور دنیا کی عملی تاریخ سے تمہارے دلوں میں یقین پیدا ہو گیا ہو گا کہ بنی نوع انسان کی حقیقی بھلائی، اعمال کی نیکی، اخلاق کی بہتری، دلوں کی صفائی اور انسانی قویٰ میں اعتدال اور میانہ روی پیدا کرنے کی کامیاب کوشش اگر کسی طبقہ انسانی نے انجام دی ہیں تو وہ صرف انبیائے کرام کا طبقہ ہے جو اللہ کے فرستادہ ہو کر اس دنیا میں آئے اور دنیا کو نیک تعلیم اور ہدایت دے کر اپنے بعد بھی لوگوں کے لئے چلنے کا ایک راستہ بنا کر چھوڑ گئے۔ جن کی تعلیم و عمل کے سرچشمہ سے بادشاہ و رعایا، امیر و غریب جاہل و عالم سب برابر کافیض پارے ہیں۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى
 قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ نَّشَاءُ
 إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ - وَوَهَبْنَا
 لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا
 وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ
 ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ
 وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَ
 كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ -
 وَذَكَرْنَا وَيْحَى وَعِيسَى وَإِلْيَاسَ
 كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ - وَإِسْمَاعِيلَ
 وَإِسْحَاقَ وَيُوسُفَ وَلُوطًا كُلًّا
 فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ - وَمِنْ
 آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَأَخْوَانِهِمْ
 وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى
 صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ - ذَلِكَ هُدَى
 اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ
 عِبَادِهِ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ
 عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ - أُولَئِكَ
 الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ
 وَالتَّبْوَةَ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا
 هُوَ لِأَعْدَائِنَا فَلَنُكَفِّرَنَّ بِهَا

اور ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر
 (اپنی حجت پیش کرنے کے لئے) دلیل
 عنایت کی۔ ہم جس کو چاہتے ہیں بدرجہا
 بلند کر دیتے ہیں بیشک تیرا پروردگار
 حکمت والا اور علم والا ہے۔ اور ہم نے
 اُن (ابراہیم) کو اسحاق اور یعقوب عطا
 کئے۔ ہر ایک کو ان میں سے ہدایت بخشی اور ہم
 نے (ابراہیم سے) پہلے نوح کو ہدایت دی
 اور ان (ابراہیم) کی نسل سے داؤد اور
 سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور
 ہارون کو (ہدایت دی) اور ہم نیکوکاروں
 کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اور ذکر کیا اور بھی
 اور عیسیٰ اور الیاس کو (ہدایت دی) ہر
 ایک (ان میں کا) صالح لوگوں میں تھا،
 اور اسماعیل اور ایشع اور یونس اور لوط
 کو (ہدایت دی) اور ان میں سے ہر ایک کو
 دنیا (میں اس کے زمانہ کے لوگوں) پر فضیلت
 بخشی اور ان کے بزرگوں اور انکی اولادوں
 اور ان کے بھائیوں میں سے اور اُن کو چُننا
 اور ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت
 کی۔ یہی خدا کی ہدایت ہے اپنے بندوں

لَيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ - أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهَدَاهُمْ
قَتَلَهُ

میں سے جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت
دیتا ہے اگر وہ شریک کرتے تو ان کے سارے
کام برباد جاتے یہی وہ لوگ ہیں جن کو
ہم نے کتابِ قوت فیصلہ اور پیغمبری عنت
کی، تو اگر یہ لوگ (جو ان کے نام لیوا آج
موجود ہیں) ان نعمتوں کی ناشکری کریں تو
ہم ان نعمتوں کو ایسے لوگوں (یعنی
مسلمانوں) کے سپرد کر دیا جو ان کی ناقہ
نہیں کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کو اللہ
نے ہدایت دی، تو تو بھی انہی کی ہدایت
کی پیروی کر۔

ان پاک آیتوں میں انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اصنافِ انسانی میں
سے ایک خاص طبقہ کے بیشتر افراد کے نام بتائے گئے ہیں، جن کی پیروی اور تقلید
ہماری روحانی بیماریوں کا علاج اور اخلاقی کمزوریوں کا درمان ہے، یہی وہ مقدس
گروہ ہے جو خدا کی بسانی تمام آبادیوں میں پھیلا اور مختلف زمانوں میں اپنی تعلیم و
ہدایت کا چراغ روشن کرتا رہا۔ آج انسان کے سرمایہ میں فلاح، سعادت، اخلاق
نیک اعمال اور بہترین زندگیوں کے جو کچھ اثرات و نتائج ہیں، وہ سب ان ہی بزرگوں
کے فیوض و برکات ہیں۔ وہ جگہ جگہ اپنے نقش قدم چھوڑ گئے، اور دنیا کم و بیش ان ہی پر
چل کر اپنی کوششوں کی کامیابی کو ڈھونڈ رہی ہے۔

نوح کا جوش تبلیغ، ابراہیم کا ولولہ توحید، اسحاق کی وراثتِ پدری، اسماعیل
کا اشارہ، موسیٰ کی سعی و کوشش، ہارون کی رفاقتِ حق، یعقوب کی تسلیم، داؤد کا غربت

حق پر ماتم، سلیمان کا سرود حکمت، زکریا کی عبادت، یحییٰ کی عفت، عیسیٰ کا زہد، یونس کا اعتراف قصور، لوط کی جانفشانی، ایوب کا صبر، یہی وہ حقیقی نقش و نگار ہیں جن سے ہماری روحانی اور اخلاقی دنیا کا ایوان آراستہ ہے، اور جہاں کہیں ان صفات عالیہ کا وجود ہے، وہ ان ہی بزرگوں کی مثالوں اور نمونوں کا عکس ہے۔

انسانوں کی عمدہ معاشرت صحیح تمدن اور اعلیٰ مسرت کی تکمیل اور کائنات کے اندر اس کو اشرف المخلوقات کا مرتبہ حاصل کرانے میں یقیناً تمام کارکن طبقات انسانی کا حصہ ہے۔ ہیئت دانوں نے ستاروں کی چالیں بتائیں حکما نے چیزوں کے خواص ظاہر کئے، طبیبوں نے بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے، مہندسوں نے عمارتوں کا فن نکالا، صنعتاء نے ہنر اور فن پیدا کئے، ان سب کی کوششوں سے مل کر یہ دنیا تکمیل کو پہنچی، اس لئے ہم ان سب کے شکر گزار ہیں، مگر سب سے زیادہ ممنون ہم ان بزرگوں کے ہیں جنہوں نے ہماری اندرونی دنیا کو آباد کیا، جنہوں نے ہماری حرص و ہویٰ کی اندرونی چالیں درست کیں، ہماری روحانی بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے، ہمارے جذبات ہمارے احساسات اور ہمارے ارادوں کے نقشے درست کئے، ہمارے نقوس و قلوب کے عروج و تنزل کا فن ترتیب دیا جس سے دنیا کے صحیح تمدن اور صحیح معاشرت کی تکمیل ہوئی۔ اخلاق و سیرت انسانیت کا جو ہر ذرا بانی، نبی اور بھلائی ایوانِ عمل کے نقش و نگار ٹھہرے، اللہ و بندہ کا رشتہ باہم مضبوط ہوا اور روز الست کا بھولا ہوا وعدہ ہم کو یاد آیا، اگر ہم انسانی سرشت کے ان رموز و اسرار اور نیکی و سعادت کی ان پیغمبرانہ تعلیمات سے ناواقف ہوتے تو کیا یہ دنیا کبھی تکمیل کو پہنچ سکتی، اس لئے اس برگزیدہ اور پاک طبقہ انسانی کے احسانات ہم انسانوں پر سب سے زیادہ ہیں اور اس لئے ہر فرد انسانی پر خواہ وہ کسی صنف سے تعلق رکھتا ہو۔ ان کی شکرگزاری کا اظہار واجب ہے، اسی کا نام اسلام کی زبان میں ”صلوٰۃ و سلام“ ہے جو ہمیشہ

انبیائے کرام کے نام نامی کے ساتھ ساتھ ہم ادا کرتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْہِمْ وَسَلِّمْ۔
 حضرات! یہ نفوس قدسیہ اپنے اپنے وقت پر آئے اور گزر گئے۔ اس عالم
 فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں۔ ان کی زندگیاں خواہ کتنی ہی مقدّس اور معصوم ہوں
 تاہم وہ دوام و بقا کی دولت سے سرفراز نہ تھیں، اسلئے آئندہ آنے والے انسانوں
 کے لئے جو چیز رہبر ہو سکتی ہے، وہ ان کی زندگیوں کی تحریری اور روایتی عکس اور
 تصویریں ہیں، ہمارے پاس اس کے سوا اس سرمایہ سعادت کی حفاظت کا کوئی
 اور طریقہ نہیں۔ دنیا میں پچھلے عہد کے علوم، فنون، خیالات، تحقیقات، واقعات
 اور حالات کے جاننے کا اس کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں، انسانی زندگیوں کے ان
 ہی تحریری اور روایتی عکسوں اور تصویروں کا نام تاریخ اور سیرت ہے ہماری
 زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں ممکن ہے کہ ہر سانحہ زندگی میں کوئی نہ کوئی عبرت
 و بصیرت ہو۔ لیکن ہماری اخلاقی اور روحانی زندگی کی تکمیل و تزکیہ کے لئے صرف
 انبیائے کرام اور ان کے نقش قدم پر چلنے والی ہستیوں کی تاریخیں اور سیرتیں ہی
 کار آمد اور مفید ہو سکتی ہیں، اب تک دنیا نے انہی سے فیض پایا ہے اور آئندہ
 بھی انہی سے فیض پاسکتی ہے، اس لئے دنیا کا اپنے تزکیہ اور تکمیل روحانی کے لئے
 ان برگزیدہ ہستیوں کی سیرتوں کی حفاظت سب سے بڑا اہم فرض ہے۔

بہتر سے بہتر فلسفہ، عمدہ سے عمدہ تعلیم، اچھی سے اچھی ہدایت زندگی نہیں
 پاسکتی اور کامیاب نہیں ہو سکتی، اگر اس کے پیچھے کوئی ایسی شخصیت اس کی حامل اور
 عامل ہو کر قائم نہیں ہے، جو ہماری توجہ، محنت اور عظمت کا مرکز ہو، جس جہاز
 کو کو دیا نامی سے ہم اوائل فروری ۱۹۲۲ء میں حجاز و مصر سے واپس آئے تھے،
 اتفاق سے مشہور شاعر ڈاکٹر ٹیگور بھی اسی پر امریکہ کے سفر سے واپس ہو رہے
 تھے ایک رفیق سفر نے ان سے سوال کیا کہ برہو سماج کی ناکامی کا سبب کیا ہے؟

حالانکہ اس کے اصول بہت منصفانہ صلحِ کل کے تھے۔ اس کی تعلیم تھی کہ سارے مذہب سچے اور کل مذہبیوں کے بانی اچھے اور نیک لوگ تھے، اس میں عقل اور منطق کے خلاف کوئی چیز نہ تھی۔ وہ موجودہ تمدن، موجودہ فلسفہ اور موجودہ حالات کو دیکھ کر بنایا گیا تھا، تاہم اس نے کامیابی حاصل نہ کی، فلسفی شاعر نے جواب میں کتنا اچھا نکتہ بیان کیا کہ یہ اس لئے ناکامیاب ہوا کہ اس کے پیچھے کوئی شخصی زندگی اور عملی سیرت نہ تھی جو ہماری توجہ کامرکز بنی اور ہماری نیکوکاری کا نمونہ بنی۔ اس نکتہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مذہب اپنے نبی کی سیرت اور عملی زندگی کے بغیر ناکام ہے۔

غرض ہم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی کے لئے محصوم انسانوں، بے گناہ ہستیوں اور ہر حیثیت سے بالکمال بزرگوں کی ضرورت ہے اور وہ صرف انبیائے کرام ہیں، صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

دوسرا خطبہ

عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل

صرف

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے

دوستو! آج ہماری بزم کا دوسرا دن ہے، اس سے پہلے جو کچھ عرض ہو چکا ہے وہ پیش نظر رہے تو سلسلہ سخن آگے بڑھے۔ میری پھیلی تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ انسان کے حال و مستقبل کی تاریکی کو چاک کرنے کے لئے ماضی کی روشنی سے فیض حاصل کرنا ضرور ہے، جن مختلف انسانی طباقوں نے ہم پر احسان کئے ہیں وہ سب شکر یہ کہ مستحق ہیں! لیکن سب سے زیادہ ہم پر جن بزرگوں کا احسان ہے، وہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے سامنے اس زمانہ کے مناسب حال اخلاق عالیہ اور صفات کاملہ کا ایک نہ ایک بلند ترین معجزانہ نمونہ پیش کیا۔ کسی نے صبر، کسی نے ایثار، کسی نے قربانی، کسی نے جوش توحید، کسی نے دلولہ حق، کسی نے تسلیم، کسی نے عفت، کسی نے زہد، غرض ہر ایک نے دنیا میں انسان کی پُریتیج زندگی کے راستے میں ایک ایک منار قائم کر دی ہے، جس سے صراطِ مستقیم کا پتہ لگ سکے، مگر ضرورت تھی ایک ایسے رہنما اور رہبر کی جو اس سرے سے لے کر اس سرے تک پوری راہ کو اپنی ہدایات اور عملی مثالوں سے روشن کر دے، گویا ہمارے ہاتھ

میں اپنی علی زندگی کا پورا گائڈ بک دے دے، جس کو لے کر اسی کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ہر مسافر بے خطر منزل مقصود کا پتہ پالے، یہ راہنما سلسلہ انبیاء کے آخری فرد محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن نے کہا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا
وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا، وَدَاعِيًا
إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا۔
(احزاب : ۶۷)

اے پیغمبر ہم نے تجھ کو گواہی دینے والا اور
(نیکوں کو) خوشخبری سنانے والا اور (غفلوں کو)
(کو) ہشیار کرنے والا اور اللہ کی طرف اس
کے حکم سے پکارنے والا اور ایک روشن کرنے
والا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

آپ عالم میں اللہ کی تعلیم و ہدایت کے شاہد ہیں، نیکو کاروں کو فلاح و سعادت کی بشارت سنانے والے مبشر ہیں، ان کو جو ابھی تک بے خبر ہیں، ہشیار اور بیدار کرنے والے نذیر ہیں، بھٹکنے والے مسافروں کو اللہ کی طرف چمکانے والے داعی ہیں اور خود ہمہ تن نور اور چراغ ہیں۔ یعنی آپ کی ذات اور آپ کی زندگی راستہ کی روشنی ہے، جو راہ کی تاریکیوں کو کافور کر رہی ہے یوں تو ہر پیغمبر اللہ کا شاہد، داعی، مبشر اور نذیر وغیرہ بن کر اس دنیا میں آیا ہے مگر یہ کل صفیت سب کی زندگیوں میں عملاً یکساں نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوئیں، بہت سے انبیاء تھے جو خصوصیت کے ساتھ شاہد ہوئے، جیسے حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت اسماعیلؑ وغیرہ بہت سے تھے جو نمایاں طور پر مبشر بنے، جیسے حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ بہت سے تھے، جن کا خاص وصف نذیر تھا جیسے حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہودؑ و حضرت شعیبؑ بہت سے تھے جو امتیازی حیثیت سے داعی حق تھے، جیسے حضرت یوسفؑ و حضرت یونسؑ، لیکن وہ جو شاہد، مبشر، نذیر، داعی، سراج منیر، سب کچھ یک وقت تھا اور جس کے مرقع حیات میں یہ سارے نقش و نگار عملاً نمایاں تھے وہ

صرف محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والتحيات تھے، اور یہ اس لئے ہوا کہ آپ دنیا کے آخری پیغمبر بنا کر بھیجے گئے جس کے بعد کوئی دوسرا آنے والا نہ تھا۔ آپ اسی شریعت لے کر بھیجے گئے جو کامل تھی، جس کی تکمیل کے لئے پھر کسی دوسرے کو اتنا نہ تھا۔ آپ کی تعلیم دائمی وجود رکھنے والی تھی، یعنی قیامت تک اس کو زندہ رہنا تھا اسلئے آپ کی ذات پاک کو مجموعہ کمال اور دولت بے زوال بنا کر بھیجا گیا۔

دوستو! یہ جو کچھ میں نے کہا، یہ میرے مذہبی عقیدہ کی بنیاد پر محض کوئی دعویٰ نہیں ہے بلکہ یہ وہ واقعہ ہے جس کی بنیاد دلائل اور شہادتوں پر قائم ہے۔ وہ سیرت یا نمونہ حیات جو انسانوں کے لئے ایک آئیڈیل سیرت کا کام دے۔ اس کے لئے متعدد شرطوں کی ضرورت ہے، جن میں سب سے پہلی اور اہم شرط تاریخیت ہے۔

تاریخیت تاریخیت سے مقصود یہ ہے کہ ایک کامل انسان کے جو سوانح اور حالات پیش کئے جائیں وہ تاریخ اور روایت کے لحاظ سے مستند ہوں، ان کی حیثیت قصوں اور کہانیوں کی نہ ہو، روزمرہ کا تجربہ ہے کہ انسان کی ایک سائیکالوجی یہ ہے کہ کسی سلسلہ حیات کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فرضی اور خیالی ہے یا مشتبہ ہے تو خواہ اس کو کسی قدر موثر انداز میں کیوں نہ پیش کیا جائے۔ طبعیت اس سے دیرپا اور گہرا اثر نہیں لیتیں، اس لئے ایک کامل سیرت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے تمام اہم اجزاء کی تاریخیت پر یقین ہو۔ یہی سبب ہے کہ تاریخی افسانوں سے جو اثر طبعیتوں میں پیدا ہوتا ہے وہ خیالی افسانوں سے نہیں ہوتا۔

دوسرا سبب تاریخی سیرت کے ضروری ہونے کا یہ ہے کہ آپ اس سیرت کا ملہ کا نقشہ محض دلچسپی یا فرصت کے گھنٹوں کی مشغولی کے لئے نہیں پیش کرتے

بلکہ اس غرض سے پیش کرتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی اس نمونہ پر ڈھالیں، اور اس کی پیروی و تقلید کریں۔ لیکن وہ زندگی اگر تاریخی اور واقعی طور سے ثابت نہیں، تو آپ کیوں کر اس کے قابل عمل اور پیروی و تقلید کے لائق ہونے پر زور دے سکتے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ فرضی و میتھا لو جیکل قصے ہیں، جن پر کوئی انسان اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں ڈال سکتا، اس لئے کیا پُر اثر ہونے کے لئے اور کیا قابل عمل اور لائق تقلید ہونے کے لئے سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ اس کا عمل انسان کی سیرت تاریخی اسناد کے معیار پر پوری اترے۔

ہم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ادب اور احترام کرتے ہیں اور ان کے سچے پیغمبر ہونے پر یقین رکھتے ہیں، لیکن بغواے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔ ”یہ پیغمبر ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فصیلت دی ہے“ دوام، بقا، ختم نبوت اور آخری کامل انسانی سیرت ہونے کی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خاص بشارت عطا ہوا ہے وہ دیگر انبیاء کو اس لئے نہیں مرحمت ہوا کہ ان کو داعی، آخری اور خاتم نبوت نہیں بنایا گیا تھا، ان کی سیرتوں کا مقصد ایک خاص قوم کو ایک خاص زمانہ تک نمونہ دینا تھا۔ اس لئے اس زمانہ کے بعد بتدریج وہ دنیا سے مفقود ہو گئیں۔

غور کرو کہ ہر ملک میں، ہر قوم میں، ہر زمانہ میں، ہر زبان میں کتنے لاکھ انسان اللہ کا پیغام لے کر آئے ہوں گے۔ ایک اسلامی روایت کے مطابق، ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے، مگر آج ان میں سے کتنوں کے نام ہم جانتے ہیں، اور جتنوں کے نام جانتے بھی ہیں، ان کا حال کیا جانتے ہیں؟ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ قدیم اور پُرانے ہونے کا دعوے ہندوؤں کو ہے، گو وہ مسلم نہیں، لیکن بغور دیکھو کہ ان کے مذہب میں سینکڑوں کیرکٹروں کے نام ہیں مگر ان میں سے

کسی کو "تاریخی" ہونے کی عزت حاصل نہیں ہے۔ ان میں سے بہتیرے کے تو نام کے سوا کسی اور چیز کا ذکر نہیں اور میتھالوجی سے آگے بڑھ کر تاریخ کے میدان میں ان کا گزربھی نہیں، ان میں بہتر سے بہتر معلوم کیرکٹروہ ہیں جو ہاتھارت اور رمان کے ہیر وہیں مگر ان کی زندگی کے واقعات میں سے تاریخ کس کو کہہ سکتے ہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ زمانہ کے کس دور اور دور کی کس صدی کے کس سال کے واقعے ہیں۔ اب یورپ کے بعض علماء ربیبیوں قیاسات سے کچھ کچھ تقریبی یا تخمینہ زمانوں کی تعیین کرتے ہیں، اور انہی کو ہمارے ہندو تعلیم یافتہ اصحاب اپنے علم کی سند جانتے ہیں۔ لیکن یورپ کے محققین میں سے زیادہ تر تو ان کو تاریخ کا درجہ ہی نہیں دیتے اور یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ فرضی داستانیں کبھی عالم وجود میں بھی آئی تھیں۔

ایران کے پرانے مجوسی مذہب کا بانی زرتشت اب بھی لاکھوں آدمیوں کی عقیدت کا مرکز ہے۔ مگر اس کی تاریخی شخصیت بھی قدامت کے پردہ میں گم ہے یہاں تک کہ اس کے تاریخی وجود کے متعلق بھی بعض شیخی مزاج امریکی اور یورپین علماء کو شبہ ہے، مستشرقین میں سے جو لوگ اس کے تاریخی وجود کو تسلیم کرتے ہیں سینکڑوں قیاسات سے اس کے حالات زندگی کی کچھ تعیین کرتے ہیں تاہم وہ بھی مختلف محققین کی باہمی متضاد رایوں سے اس قدر مشکوک ہیں کہ کوئی انسان ان کے بھروسے پر اپنی علمی زندگی کی بنیاد نہیں قائم کر سکتا۔ زرتشت کی جائے پیدائش سال پیدائش، قومیت، خاندان، مذہب، تبلیغ مذہب، مذہبی صحیفہ کی اصلیت، زبان، سال وفات، جائے وفات، ان میں سے ہر ایک مسئلہ سینکڑوں اختلافات کا مرجع ہے اور صحیح روایتوں کا اس قدر فقدان ہے کہ بجز تخمینہ قیاسات کے اور کوئی روشنی، ان سوالات کی تاریکیوں کو دور نہیں کر سکتی، بایں ہمہ پارسی اصحاب ان مشکوک

قیاسی باتوں کا علم براہ راست اپنی روایتوں سے نہیں رکھتے بلکہ یورپین اور امریکن اسکالرس کی تلقینات سے وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جو ان کے ذاتی ذرائع علم ہیں وہ فردوسی کے شاہنامہ سے آگے نہیں بڑھتے۔ یہ عذر بے کار ہے کہ یونانی دشمنوں نے ان کو مٹا دیا۔ یہاں بہر حال ہم کو صرف اتنا بتانا ہے کہ وہ مٹ گئے، خواہ کسی طرح سے مٹے ہوں اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو دوام اور بقا کی زندگی نہ ملی، اور کرن (KERN) اور ڈار میٹر

(DAR METATAR) جیسے محققین کو زرتشت کی تاریخی شخصیت سے انکار کرنا پڑا۔ قدیم ایشیا کا سب سے زیادہ وسیع مذہب بودھ ہے، جو کبھی ہندوستان چین اور تمام ایشیائے وسطی، افغانستان، ترکستان تک پھیلا ہوا تھا، اور اب بھی برما، سیام، چین، جاپان اور تبت میں موجود ہے۔ ہندوستان میں تو یہ کہنا آسان ہے کہ برہمنوں نے اس کو مٹا دیا اور ایشیائے وسطی میں اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا، مگر تمام ایشیائے اقصیٰ میں تو اس کی حکومت، اس کی تہذیب اس کا مذہب، تلوار کی قوت کے ساتھ ساتھ قائم ہے، اور اس وقت سے اب تک غیر مفتوح ہے، لیکن کیا یہ چیزیں بودھ کی زندگی اور سیرت کو تاریخی روشنی میں برقرار رکھ سکیں؟ اور ایک موخ اور سوارخ نگار کے تمام سوالات کا وہ نشئی بخش جواب دے سکتی ہیں؟ خود بدھ کے زمانہ وجود کی تعیین گدھ دیس کے راجاؤں کے واقعات سے کی جاتی ہے ورنہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے اور ان راجاؤں کا زمانہ بھی اس طرح متعین ہو سکا ہے کہ ان کے سفائی تعلقات اتفاقیو نانیوں سے قائم ہو گئے تھے جتنی مذہب کے بانی کا حال اس سے بھی زیادہ غیر یقینی ہے اور چینی کے ایک بانی مذہب کنفیوشس کی نسبت ہم کو بودھ سے بھی کم واقفیت ہے حالانکہ اس کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں سے بھی زیادہ ہے۔

سامی قوم میں سیکڑوں پیغمبر آئے لیکن نام کے سوا تاریخ نے ان کا اور کچھ حال نہ جانا۔

حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت اسمعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ کے حالات اور سیرتوں کے ایک ایک حصہ کے علاوہ کیا ہم کو کوئی کچھ بتا سکتا ہے؟ ان کی سیرتوں کے ضروری اجزاء تاریخ کی کڑیوں سے بہر حال گم ہیں، اب ان کی مقدس زندگیوں کے ادھورے اور نامربوط حصے کیا ایک کامل انسانی زندگی کی تقلید اور پیروی کا سامان کر سکتے ہیں؟ قرآن مجید کو چھوڑ کر یہودیوں کے جن اسفار میں ان کے حالات درج ہیں، ان میں سے ہر ایک کی نسبت محققین کو مختلف شکوک ہیں، اور اگر ان شکوک سے ہم قطع نظر بھی کر لیں تو ان کے اندر ان بزرگوں کی تصویریں کس درجہ ادھوری ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا حال ہم کو تورات سے معلوم ہوتا ہے مگر وہ خود تورات جو آج موجود ہے اہل تحقیق کے بیان کے مطابق جیسا کہ خود مصنفین انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا تسلیم کرتے ہیں، حضرت موسیٰؑ کے صد ہا سال کے بعد عالم وجود میں آئی ہے اس پر اب جرمن اسکالر نے پتہ لگایا ہے کہ موجودہ تورات میں پہلو بہ پہلو ہر واقعہ کے متعلق دو مختلف صورتوں اور روایتوں کا سلسلہ ہے جو باہم کہیں کہیں متضاد ہیں، اور یہی سبب ہے کہ تورات کے سوانح و واقعات میں ہر قدم پر ہم کو تضاد بیان سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس تھوری کی تفصیل انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے اخیر اڈیشن کے آرٹیکل ”بائبل“ میں موجود ہے، اب ایسی صورت میں حضرت موسیٰؑ بلکہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک کے واقعات کی تاریخی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے حالات انجیلوں میں درج ہیں، مگر ان بہت سی انجیلوں میں سے آج عیسائی دنیا کا بڑا حصہ صرف چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے، باقی انجیل طفولیت انجیل برناباس وغیرہ نامستند ہیں، ان چار انجیلوں میں سے ایک انجیل کے لکھنے والے نے بھی حضرت عیسیٰؑ کو خود نہیں دیکھا تھا انہوں نے کس سے سُن کر یہ حالات کا مجموعہ

لکھا، یہ بھی معلوم نہیں، بلکہ اب تو یہ بھی مشکوک سمجھا جاتا ہے کہ جن چار آدمیوں کی طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے، وہ صحیح بھی ہے، یہ بھی واضح طور پر ثابت نہیں کہ وہ کن زبانوں میں اور کن زمانوں میں لکھی گئیں۔ سچہ سے لے کر بعد کے متعدد مختلف سالوں تک مختلف مفسرین اناجیل، ان کی تصنیف کا زمانہ بتاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش، وفات اور تثلیث کی تعلیم، ان سب کو سامنے رکھ کر اب بعض امریکن نقاد اور ریشلسٹ یہ کہنے لگے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا وجود محض فرضی ہے اور ان کی پیدائش اور تثلیث کا بیان یونانی و رومی متھالوجی کی محض نقالی ہے۔ کیونکہ اس قسم کے خیالات ان قوموں میں مختلف دیوتاؤں اور ہیروؤں کے متعلق پہلے سے موجود تھے چنانچہ شکاگو کے مشہور رسالہ روپن کورٹ میں مہینوں حضرت عیسیٰؑ کے فرضی وجود ہونے پر بحث رہی ہے۔ اس بیان سے عیسائی روایتوں کے ذریعہ سے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کی تاریخی حیثیت کتنی کمزور معلوم ہوتی ہے؟

کابلت | کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونہ عمل بننے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے صحیفہ حیات کے تمام حصے ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں کوئی واقعہ پردہ راز اور ناواقفیت کی تاریکی میں گم نہ ہو، بلکہ اس کے تمام سوانح اور حالات روز روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہوں، تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس کی سیرت کہاں تک انسانی سوسائٹی کے لئے ایک آئیڈیل زندگی کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس معیار پر اگر شارعین ادیان اور بابائین مذاہب کے سوانح اور سیرتوں پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی ہستی اس معیار پر پوری نہیں اُترتی، اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہو کر دنیا میں تشریف لائے تھے، ہم کہہ چکے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں انبیاء علیہم السلام اور صلحین دین کے زمرہ میں صرف تین چار ہی ہتیاں ایسی ہیں جو تاریخی نگاہ سے جائز ہیں، لیکن کابلت کی حیثیت سے وہ بھی پوری نہیں ہیں۔ غور کرو کہ مردم شماری

کے لحاظ سے آج بودھ کے پیرو دنیا کی آبادی کے چوتھائی حصہ پر قابض ہیں، مگر بائیس ہمتاریخی حیثیت سے بدھ کی زندگی صرف چند قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے، لیکن اگر ہم انہی قصوں اور کہانیوں کو تاریخ کا درجہ دے کر بودھ کی زندگی کے ضروری اور اہم سے اہم اجزاء تلاش کریں تو ہم کو نا کامی ہوگی۔ ان قصوں اور کہانیوں سے ہم کو زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں نیپال کی زرائی کے کسی ملک میں ایک راجہ کالاکا تھا جس نے فطرۃً سوچنے والی طبیعت پائی تھی، جوان ہونے اور ایک بچہ کا باپ بننے کے بعد اتفاقاً اس کی نظر چند مصیبت زدہ انسانوں پر پڑی، اس کی طبیعت بید متاثر ہوئی اور وہ گھر بار چھوڑ کر دیس سے نکل گیا اور بنارس گیا، پاٹلی پتر (پٹنہ) اور زاجگیر (بہار) کے کبھی شہروں میں اور کبھی جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرتا رہا، اور اللہ جانے عمر کی کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اُس نے گیا کے ایک درخت کے نیچے انکشافِ حقیقت کا دعویٰ کیا، اور بنارس سے بہار تک اپنے نئے مذہب کا وعظ کرتا رہا، پھر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ یہ خلاصہ ہے بودھ کے متعلق ہماری معلومات کا۔

زرتشت بھی ایک مذہب کا بانی ہے، مگر ہم بتا چکے ہیں کہ قیاسات کے سوا اُس کی زندگی اور سیرت کا بھی سراغ نہیں ملتا، ان قیاسات سے بھی جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کو ہم بجائے اپنی زبان سے کہنے کے بیسویں صدی کے مستند خلاصہ معلومات انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے آرٹیکل زرتا سٹر سے یہاں نقل کرتے ہیں:

”زرتشت کی جس شخصیت سے (گاتھا کے) ان اشعار میں ہماری ملاقات ہوتی ہے، وہ نئے اوستا کے زرتشت سے بالکل مختلف ہے وہ ٹھیک متضاد ہے، اس دوسرے افسانہ کی معجزانہ شخصیت سے

(اس کے بعد گاتھا کے کچھ واقعی حالات نقل کر کے مضمون نگار لکھتا ہے)
 تاہم ہم یہ توقع نہ کریں کہ ہم گاتھا سے زرتشت کے فیصلہ کن حالات جان
 سکتے ہیں، وہ ہم کو زرتشت کی لائف کا کوئی تاریخی بیان نہیں دیتی
 اور جو کچھ ملتا بھی ہے، اس کے معنی یا توصف نہیں ہیں یا غیر مفہوم ہیں۔“
 زرتشت کے متعلق موجودہ زمانہ کی تصنیفات کا باب شروع کرتے ہوئے یہ مضمون
 نگار لکھتا ہے:

”اس کی جائے پیدائش کی تعین کے متعلق شہادتیں متضاد ہیں۔“
 اس کے زمانہ کے تعین کے متعلق بھی یونانی مؤرخین کے بیانات، نیز موجودہ محققین کے
 کے قیاسات مختلف ہیں۔ یہ مضمون نگار لکھتا ہے:

”زرتشت کے زمانے سے ہم قطعاً ناواقف ہیں۔“
 بہر حال جو کچھ ہم کو معلوم ہے، وہ یہ ہے کہ آذربائیجان کے کسی مقام میں
 پیدا ہوا، بلخ وغیرہ کی طرف تبلیغ کی۔ ہشتاسپ بادشاہ نے اس کے مذہب کو اختیار
 کیا، کچھ اس نے غیر معمولی معجزے دکھائے، اس نے شادی بیاہ کیا، اولادیں ہوئیں
 اور پھر کہیں مر گیا، کیا ایسی نامعلوم ہستی کے متعلق کوئی کالمیت کا گمان بھی کر سکتا ہے؟
 اور اس کی زندگی انسانی سوسائٹی کے لئے چراغ راہ بن سکتی ہے یا بنائی جاسکتی ہے؟
 انبیائے سابقین میں سب سے مشہور زندگی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کی ہے، موجودہ تورات کے مستند یا غیر مستند ہونے کی بحث سے قطع نظر کہ ہم
 اس کے بیانات کو بالکل صحیح تسلیم کئے لیتے ہیں، تاہم تورات کی پانچوں کتابوں سے
 ہم کو حضرت موسیٰ کی زندگی کے کس قدر اجزاء ہاتھ آتے ہیں؟ جو کچھ ہے وہ یہ ہے
 کہ حضرت موسیٰ پیدا ہو کر فرعون کے گھر پرورش پاتے ہیں، جوان ہو کر فرعونوں کے نظام
 کے خلاف بنی اسرائیل کی ایک دو موقوفوں پر مدد کرتے ہیں، پھر مصر سے بھاگ کر مدین

آتے ہیں، یہاں شادی ہوتی ہے اور معتد بہ زمانہ تک یہاں زندگی بسر کر کے مصر
 واپس آتے ہیں، راہ میں نبوت سے سرفراز ہوتے ہیں، فرعون کے پاس پہنچتے ہیں،
 معجزات دکھاتے ہیں اور بنی اسرائیل کو مصر سے لے جانے کی رخصت چاہتے ہیں،
 رخصت نہیں ملتی، بالآخر غفلت میں مح اپنی قوم کے نکل جاتے ہیں۔ اللہ کے حکم سے
 سمندر میں ان کو راہ مل جاتی ہے فرعون غرق ہو جاتا ہے اور وہ اپنی قوم کو لے کر عرب
 اور شام میں داخل ہوتے ہیں، کافر باشندوں سے لڑائیاں پیش آتی ہیں۔ اسی حالت
 میں جب وہ بہت بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ایک پہاڑی پر ان کی وفات ہو جاتی ہے۔
 تورات استثنا کے اختتامی فقرے میں ہے:

”سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق مواب کی
 سرزمین میں مر گیا اور اس نے اسے مواب کی ایک وادی میں بیت فغور
 کے مقابل گاڑا، پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا اور
 موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا اور اب تک بنی
 اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی بنی نہیں ہوا۔“

۱۔ یہ تورات کی پانچویں کتاب کے فقرے ہیں جس کی تصنیف بھی حضرت موسیٰ
 کی طرف منسوب ہے۔ ان فقروں میں سب سے پہلے آپ کی نظر اس پر پڑنی چاہئے کہ
 یہ پوری کتاب یا اس کے آخری اجزاء حضرت موسیٰ کی تصنیف نہیں لیکن بائبل ہمہ
 دنیا حضرت موسیٰ کے اس سوانح نگار سے واقف نہیں ہے۔

۲۔ ان درسوں کے الفاظ ”آج تک اُس کی قبر کو کوئی نہیں جانتا اور اب
 تک ویسا کوئی بنی بنی اسرائیل میں پیدا نہیں ہوا۔“ ظاہر کرتے ہیں کہ سوانح موسیٰ
 کے یہ تکمیلی اجزاء اتنی مدت دراز کے بعد لکھے گئے ہیں، جن میں ایک مشہور یا دگار
 کو لوگ بھول جاسکتے ہیں اور ایک نئے پیغمبر کے ظہور کی توقع کی جاسکتی تھی۔

۳۔ حضرت موسیٰؑ نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی۔ مگر غور سے دیکھو کہ اس ۱۲۰ برس کی عمر کے طویل زمانہ کی وسعت کو بھرنے کے لئے ہم کو حضرت موسیٰؑ کے کیا واقعات معلوم ہوئے ہیں اور ان کے سوانح کے ضروری اجزاء ہمارے ہاتھ میں کیا ہیں، پیدائش، جوانی میں ہجرت، شادی اور نبوت کے واقعات معلوم ہیں، پھر چند لڑائیوں کے بعد بڑھاپے میں ۱۲۰ برس کی عمر میں ان سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان واقعات کو جاننے دیجئے یہ تو شخصی حالات ہیں جو ہر شخص کی زندگی میں الگ الگ پیش آتے ہیں۔ انسان کو اپنی سوسائٹی کے عملی نمونہ کے لئے رجن اجزاء کی ضرورت ہے وہ اخلاق و عادات اور زندگی کے طور پر ہیں، اور یہی اجزاء حضرت موسیٰؑ کی پیغمبرانہ سوانح عمری سے گم ہیں، ورنہ عام جزوی حالات یعنی اشخاص کے نام و نسب، مقامات کے پتے، مردم شماریاں اور قانونی قال و اقوال بہت کچھ تورات میں مذکور ہیں، مگر یہ معلومات خواہ جغرافیہ کراؤ لوجی، نسب ناموں اور قانون دانی کے لئے کسی قدر ضروری کیوں نہ ہوں، مگر عملی حیثیت سے بالکل بیکار اور اجزائے سوانح کی کاملیت سے محروم ہیں۔

اسلام سے سب سے قریب العہد پیغمبر حضرت عیسیٰؑ ہیں، جن کے پیروانہ یورپین مردم شماری کے مطابق تمام دوسرے مذاہب کے پیروؤں سے زیادہ ہیں۔ مگر یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ اسی مذہب کے پیغمبر کی زندگی کے اجزاء تمام دوسرے مشہور مذاہب کے بانیوں اور پیغمبروں کے سوانح سے سب سے زیادہ کم ہیں۔ آج عیسائی یورپ کے تاریخی ذوق کا یہ حال ہے کہ وہ بابل و اسیریا، عرب و شام، مصر و افریقہ، ہندوستان و ترکستان کے ہزار ہا برس کے واقعات کتابوں اور کتبوں کو پڑھ کر اور کھنڈروں اور پہاڑوں اور زمین کے طبقوں کو کھود کر منظر عام پر لا رہا ہے اور دنیا کی تاریخ کے گم شدہ اوراق از سر نو ترتیب دے رہا ہے مگر اس کا

کامیجائی، معجزہ جس چیز کو زندہ نہیں کر سکتا، وہ خود حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے مدفون واقعات ہیں۔ پروفیسر ربیان نے کیا کیا نہ کیا، مگر حضرت عیسیٰؑ کے واقعات زندگی نہ ملنا تھا نہ مل سکے، انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی زندگی ۳۳ برس کی تھی۔ موجودہ انجیلوں کی روایتیں اولاً تو نامعتبر ہیں اور جو کچھ ہیں وہ صرف ان کے آخری تین سالوں کی زندگی پر مشتمل ہیں ہم کو انکی تاریخی زندگی کے صرف یہ حصے معلوم ہیں۔ وہ پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد مہر لائے گئے، لڑکپن میں ایک دو معجزے دکھائے۔ اس کے بعد وہ غائب ہو جاتے ہیں اور پھر یک بیک تیس برس کی عمر میں پتسمہ دیتے اور پہاڑوں اور دریاؤں کے کنارے ماہی گیروں کو وعظ کہتے نظر آتے ہیں، چند شاگرد پیدا ہوتے ہیں، یہودیوں سے چند مناظرے ہوتے ہیں، یہودی ان کو پکڑ لیتے ہیں، رومی گورنر کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے اور سولی دے دی جاتی ہے۔ تیسرے دن ان کی قبر ان کی لاش سے خالی نظر آتی ہے تیس برس اور کم از کم پچیس برس کا زمانہ کہاں گزرا اور کیوں کر گزرا؟ دنیا اس سے ناواقف ہے اور رہے گی۔ ان تین آخری برسوں کے واقعات میں بھی کیا ہے؟ چند معجزے اور اور مواعظ اور آخر سولی۔

جامعیت | کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لئے تیسری ضروری شرط جامعیت ہے۔ جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقات انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا ہر فرد انسان کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لئے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے، وہ سب اس ”آئیڈیل زندگی“ کے آئینہ میں موجود ہوں، اس نقطہ نگاہ سے بھی دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیاء علیہ السلام والصلوٰۃ کے کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ مذہب کیا چیز ہے؟ خدا

اور بندوں اور باہم بندوں کے متعلق جو فرائض اور واجبات ہیں ان کو تسلیم کرنا اور ادا کرنا، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بحال لانے کا نام ہے، اس لئے ہر مذہب کے پیروؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے پیغمبروں اور بانیوں کی سیرتوں میں ان حقوق و فرائض اور واجبات کی تفصیلات تلاش کریں، اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو اس قالب میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں چیزوں سے جب آپ تفصیلاً ڈھونڈیں گے تو وہ پیغمبر اسلام کے سوا آپ کو کہیں نہیں ملیں گی۔

مذہب دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن میں یا تو اللہ کو تسلیم ہی نہیں کیا گیا ہے جیسا کہ بودھ اور جین مذہب کے متعلق کہا جاتا ہے، اس لئے ان مذہبوں میں تو اللہ، اُس کی ذات و صفات اور دیگر حقوق الہی کا پتہ ہی نہیں، اور اس لئے اُن کے بانیوں میں محبت الہی، خلوص، توحید پرستی وغیرہ کی تلاش ہی بیکار ہے، دوسرے وہ مذاہب ہیں جنہوں نے اللہ کو کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم کیا ہے، ان مذہبوں کے پیغمبروں اور بانیوں کی زندگیوں میں بھی خدا طلبی کے واقعات مفقود ہیں اللہ کے متعلق ہم کو کیا اعتقادات رکھنے چاہیں اور ان کے کیا اعتقادات تھے، اور پھر ان کو کس حد تک عملاً یقین تھا۔ اس کی تفصیل سے ان کی سیرتیں خالی ہیں۔ پوری توریت پڑھ جاؤ، اللہ کی توحید اور اس کے احکام اور قربانی کے شرائط کے علاوہ تورات کی پانچ کتابوں میں کوئی ایسا فقرہ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت موسیٰ کے تعلقات قلبی اور اعلاّت و عبادت اور اللہ پر توکل و یقین، اللہ کے صفات کاملہ والہیہ کی جلوہ گری ان کے قلب اقدس میں کہاں تک تھی، حالانکہ اگر موسیٰ مذہب ہمیشہ کیلئے اور آخری مذہب کے طور پر آیا ہوتا تو اس کے پیروؤں کا فرض تھا کہ وہ ان واقعات کو قید تحریر میں لائے۔ مگر اللہ کی مصلحت یہ نہ تھی، اس لئے ان کو اس کی توفیق نہ ملی۔

حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کا آئینہ انجیل ہے، انجیل میں اس ایک مسئلہ کے علاوہ کہ اللہ حضرت عیسیٰؑ کا باپ تھا، ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اُس دنیاوی زندگی میں اس مقدس باپ اور بیٹے میں کیا تعلقات اور روابط تھے، بیٹے کے اقرار سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ باپ کو بیٹے سے بڑی محبت تھی، مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بیٹے کو باپ سے کس درجہ محبت تھی، وہ کہاں تک اپنے باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مصروف تھا وہ اس کے، آگے شب و روزیں کبھی بھٹکتا بھی تھا اور آج کی روٹی کے علاوہ کوئی اور چیز بھی اس نے کبھی اس سے مانگی۔ گرفتاری کی رات سے پہلے کوئی ایک رات بھی اس پر ایسی گزری جب وہ باپ کے حضور میں دُعا مانگ رہا ہو، پھر ایسی سیرت سے ہم روحانی حیثیت سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اگر حضرت عیسیٰؑ کی سیرت میں اللہ اور بندہ کے تعلقات واضح ہوتے تو ساڑھے تین سو برس کے بعد پہلے عیسائی بادشاہ کونیتس میں تین سو عیسائی علماء کی مجلس اس کے فیصلہ کے لئے فراہم کرنی نہ پڑتی اور وہ اب تک ایک ناقابل فہم راز نہ بنے رہتے۔

اب حقوق عباد کی حیثیت کو سمجھیے تو اس سے بھی حضرت خاتم النبیینؐ کے سوا تمام دیگر انبیاء علیہم السلام اور بابائان مذاہب کی سیرتیں خالی ہیں۔ بودھ نے اپنے تمام اہل و عیال اور خاندان کو چھوڑ کر جنگل کا راستہ لیا اور پھر کبھی اپنی پیاری بیوی سے جس سے اس کو محبت تھی اور اپنے اکلوتے بیٹے سے کوئی تعلق نہ رکھا، دوستوں کے جھرمٹ سے علیحدہ ہو گیا، حکومت اور سلطنت کے بارگراں سے سبکدوشی حاصل کی اور نروان یا موت کے حصول کو انسانی زندگی کا آخری مقصد قرار دیا۔ ان حالات میں کیا کوئی انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا کے بسنے والوں کے لئے جن میں حکومت و رعیت، شاہ و گدا، آقا و نوکر، باپ بیٹے، بھائی بہن اور دوست احباب کے تعلقات ہیں، بودھ کی سیرت کچھ کارآمد ہو سکتی ہے، کیا بودھ کی زندگی

میں کوئی ایسی جامعیت ہے جو تارک الدنیا بھکشوؤں اور کاروباری انسانوں دونوں کے لئے قابل تقلید ہو؟ اسی لئے اس کی زندگی کبھی بھی اس کے ماننے والے کاروباریوں کے لئے قابل تقلید نہ بنی، ورنہ چین، جاپان، سیام، داتام، تبت دبرما کی تمام سلطنتیں صنایعیاں اور دیگر کاروباری مشاغل فوراً بند ہو جاتے اور بجائے آباد شہروں کے صرف سنان جنگلوں کا وجود رہ جاتا۔

حضرت موسیٰؑ کی زندگی کا ایک ہی پہلو نہایت واضح ہے اور وہ جنگ اور سپہ سالاری کا پہلو ہے، ورنہ اس کے علاوہ ان کی سیرت کی پیروی کرنے والوں کے لئے دنیاوی حقوق، واجبات، فرائض اور ذمہ داریوں کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے۔ میاں بیوی، باپ بیٹے، بھائی بھائی، دوست واجباب کے متعلق ان کا کیا طرز عمل تھا، باپ کے فرائض میں ان کا کیا دستور تھا، اپنے مال و دولت کو کن مفید کاموں میں انہوں نے لگایا؟ بیماروں، یتیموں، مسافروں اور غریبوں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا اور ان کے ماننے والے ان امور میں ان کی زندگی کی مثالوں سے کیوں کوفائدہ اٹھائیں۔ حضرت موسیٰؑ بیوی رکھتے تھے، بچے رکھتے تھے، بھائی رکھتے تھے، دوسرے اعزہ اور متعلقین رکھتے تھے اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ان کا پیغمبرانہ طرز عمل یقیناً ہر حرف گیری سے پاک ہوگا۔ مگر ان کی موجودہ سیرت کی کتابوں میں ہم کو یہ ابواب نہیں ملتے جو ہمارے لئے قابل تقلید اور نمونہ ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں بچپن، اور انجیل کے بیان کے مطابق ان کے بھائی بہن بھی تھے، بلکہ مادی باپ تک موجود تھا۔ مگر ان کی زندگی کے واقعات ان عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ان کا تعلق، طرز عمل، سلوک اور برتاؤ نہیں ظاہر کرتے، حالانکہ دنیا ہمیشہ انہی تعلقات سے آباد رہی ہے، اور رہے گی، مذہب کا بڑا حصہ انہی کی متعلقہ ذمہ داریوں کے ادا کرنے کا نام ہے علاوہ

ازیں حضرت عیسیٰؑ نے عکوجی کی زندگی بسر کی، اس لئے ان کی سیرت تمام حاکمانہ فرائض کی مثالوں سے خالی ہے، وہ متاہل نہ تھے، اس لئے ان دو جوڑوں کے لئے جن کے درمیان تورات کے پہلے ہی باب نے ماں باپ سے زیادہ مضبوط رشتہ قائم کیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی تقلید کا کوئی سامان نہیں رکھتی اور چونکہ دنیا کی بیشتر آبادی متاہلانہ زندگی رکھتی ہے، اس لئے اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے بیشتر حصہ آبادی کے لئے ان کی سیرت نمونہ نہیں بن سکتی، جس کے گھر بار اہل عیال، مال و دولت، صلح و جنگ، دوست و دشمن کے تعلقات سے کبھی واسطہ ہی نہ رکھا ہو، وہ اس دنیا کے لئے جو ان ہی تعلقات سے معمور ہے، کیونکر مثال ہو سکتا ہے، اگر آج دنیا یہ زندگی اختیار کر لے تو کل وہ سُنسان قبرستان بن جائے، تمام ترقیاں دفعۃً رک جائیں اور عیسائی یورپ تو شاید ایک منٹ کے لئے بھی زندہ نہ رہے۔

عملیت ”آئیڈیل لائف“ کا سب سے آخری معیار عملیت ہے۔ عملیت سے یہ مقصود ہے کہ شارعِ دین اور بانیِ مذہب جس تعلیم کو پیش کر رہا ہو، خود اس کا ذاتی عمل اس کی مثال اور نمونہ ہو، اور خود اس کے عمل نے اس کی تعلیم کو عملی یعنی قابلِ عمل ثابت کیا ہو۔

خوش کن سے خوش کن فلسفہ، دلچسپ سے دلچسپ نظریہ اور خوش آئند سے خوش آئند اقوال، شخص ہر وقت پیش کر سکتا ہے لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت نہیں پیش کر سکتا وہ عمل ہے۔ انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل اسکے نیک اور معصوم اقوال، خیالات اور اخلاقی و فلسفیانہ نظریے نہیں، بلکہ اسکے اعمال اور کارنامے ہیں، اگر یہ معیار قائم نہ کیا جائے تو اچھے اور بُرے کی تمیز اٹھ جائے اور دنیا صرف بات بنانے والوں کا مسکن رہ جائے اب مجھے پوچھنی دے کہ لاکھوں شارعین اور ہزاروں بانیانِ مذاہب میں سے کون اپنی عملی سیرت کو اس تراز پر

پر تلوانے کے لئے آگے بڑھ سکتا ہے ؟

”تو اپنے خداوند خدا کو اپنی ساری جان اور دل سے پیار کر، تو دشمن کو پیار کر، جو تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے اپنا بائیں گال بھی پھیر دے، جو تجھ کو ایک میل بے گار لے جائے تو اس کے ساتھ دو میل جا، جو تیرا کوٹ مانگے تو اس کو کرتا بھی دیدے، تو اپنے تمام مال و اسباب کو خدا کی راہ میں دیدے، تو اپنے بھائی کو ستر دفعہ معاف کر۔ آسمان کی بادشاہت میں دو ہفتہ کا داخل ہونا مشکل ہے۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سی نصیحتیں نہایت دل خوش کن ہیں مگر عمل سے ان کی تصدیق نہ ہو، تو وہ سیرت کا ٹکڑا نہیں، بلکہ وہ صرف معصومانہ شپیریں زبانوں کا ایک مجموعہ ہیں، جس نے اپنے دشمن پر قابو نہ پایا ہو، وہ عفو کی علی مثال کیسے پیش کر سکتا ہے۔ جس کے پاس خود کچھ نہ ہو، وہ غریبوں اور مسکینوں اور یتیموں کی مدد کیوں کر کر سکتا ہے۔ جو عزیز و اقارب، بیوی، بچے نہ رکھتا ہو، وہ انہی تعلقات سے آباد دنیا کے لئے مثال کیونکر بن سکتا ہے، جس نے بیماروں کی تیمارداری اور عیادت نہ کی ہو، وہ اس کا وعظ کیوں کر کہہ سکتا ہے۔ جس کو خود دوسروں کے معاف کرنے کا موقع نہ ملا ہو اس کی زندگی ہم میں سے غضبناک اور غصّہ و روگوں کے لئے نمونہ کیسے بنے گی۔ غور فرمائیے! نیکیاں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک سبلی اور ایک ایجابی مثلاً آپ پہاڑ کی ایک کھو میں جا کر عمر بھر کے لئے بیٹھ گئے تو صرف یہ کہنا صحیح ہو گا کہ بدلو اور برائیوں سے آپ نے پرہیز کیا۔ یعنی آپ نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جو آپ کے لئے قابل اعتراض ہو، مگر یہ تو سبلی تعریف ہوئی، ایجابی پہلو آپ کا کیا ہے؟ کیا آپ نے غریبوں کی مدد کی، محتاجوں کو کھانا کھلایا، کمزوروں کی حمایت کی، ظالموں کے مقابلہ میں حق گوئی سے کام لیا، گرتوں کو سنبھالا، مگراہوں کو راستہ

دکھایا، غفو و کرم، سخاوت، مہمان نوازی، حق گوئی، رحم، حق کی نصرت کے لئے
جوش، جدوجہد، مجاہدہ ادا کئے فرض، ذمہ داریوں کی بجا آوری، غرض تمام
وہ اخلاق جن کا تعلق عمل سے ہے، وہ صرف سلبِ فعل اور عدمِ عمل نیکیاں
نہیں بن جائیں گی۔ نیکیاں صرف سلبی ہی پہلو نہیں رکھتیں، زیادہ تر ایجابی اور عملی
پہلو پر ان کا مدار ہوتا ہے۔ اس تقریر سے ظاہر ہو گا کہ جس سیرت کا عملی حصہ سامنے
نہ ہو اس کو ”آئیدیل لائف“ اور قابلِ تقلید زندگی کا خطاب نہیں دیا جاسکتا
کہ انسان اس کی کس چیز کی نقل کرے گا؟ اور کس عمل سے سبق حاصل کرے گا؟
ہم کو تو صلح و جنگ فقر و دولت، ازدواج و تجرد، تعلقاتِ خداوندی و تعلقاتِ عباد
حاکمیتِ محکومیت، سکون و غضب، جلوت و خلوت غرض زندگی کے ہر پہلو کے متعلق
عملی مثال چاہئے۔ دنیا کا بیشتر بلکہ تمام تر حصہ ان ہی مشکلات اور تعلقات میں اُبھا
ہوا ہے اس لئے لوگوں کو ان ہی مشکلات کے حل کرنے اور ان ہی تعلقات کو
بوجہ احسن انجام دینے کے لئے عملی مثالوں کی ضرورت ہے، قولی نہیں بلکہ عملی لیکن
یہ کہنا شاعری اور خطابت نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے کہ اس معیار پر بھی سیرتِ
محمدیؐ کے سوا کوئی دوسری سیرت پوری نہیں اتر سکتی۔ میں نے آج جو کچھ کہا ہے
اس کو اپنی طرح سمجھ لیجئے، میں یہ کہنا اور دکھانا چاہتا ہوں کہ آئیدیل لائف اور
نمونہٗ تقلید بننے کے لئے جو حیاتِ انسانی منتخب کی جائے ضرور ہے کہ اس کی
سیرت کے موجودہ نقشہ میں یہ چار باتیں پائی جائیں، یعنی تارِ بحیثیت، جامعیت
کاملیت اور عملیت، میرا یہ مقصد نہیں کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی زندگیاں ان
کے عہد اور زمانہ میں ان خصوصیات سے خالی تھیں بلکہ یہ مقصد ہے کہ ان کی سیرتیں
جو اُن کے بعد عام انسانوں تک پہنچیں، یا جو آج موجود ہیں، وہ ان خصوصیات
سے خالی ہیں اور ایسا ہونا مصلحتِ الہی کے مطابق تھا، تاکہ یہ ثابت ہو سکے

کہ وہ انبیاءِ محمد و زمانہ اور متبعین قوموں کے لئے تھے، اس لئے ان کی سیرتوں کو دوسری قوموں اور آئندہ زمانہ تک محفوظ رہنے کی ضرورت نہ تھی۔ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کی قوموں کے لئے اور قیامت تک کے لئے نمونہ عمل اور قابل تقلید بنا کر بھیجے گئے تھے، اس لئے آپ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل، دائمی اور ہمیشہ کے لئے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی اور یہی ”ختم نبوت“ کی سب سے بڑی علمی دلیل ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ
وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

سیرت محمدی کا تاریخی پہلو

آئیے اب ان چاروں معیاروں کے مطابق پیغمبر اسلام علیہ السلام کی سیرۃ مبارک پر نظر ڈالیں، سب سے پہلی چیز ”تاریخیت“ ہے۔ اس باب میں تمام دنیا متفق ہے کہ اس حیثیت سے اسلام نے اپنے پیغمبر کی اور نہ صرف اپنے پیغمبر کی بلکہ ہر اس چیز کی اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی حضرت کی ذات مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی ہے، وہ عالم کے لئے مایہ حیرت ہے، ان لوگوں کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور متعلقات زندگی کی روایت، تحریر اور تدوین کا فرض انجام دیتے تھے، راویان حدیث و روایا محدثین اور ارباب سیر کہتے ہیں، جن میں صحابہ تابعین تبع تابعین اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں، جب تمام سرمایہ روایت تحریری صورت میں آگیا، تو ان تمام راویوں کے نام و نشان، تاریخ، زندگی، اخلاق و عادات کو بھی قید تحریر میں لایا گیا، جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے اور ان سب کے مجموعہ احوال کا نام *أَسْمَاءُ الرِّجَالِ* ہے۔ مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر جو ۱۸۵۴ء اور اس کے بعد تک ہندوستان کے علمی و تعلیمی صیغہ سے متعلق تھے اور بنگال ایسٹ انڈیا کمپنی کے سکریٹری تھے اور ان کے عہد میں خود ان کی محنت سے دانی

کی مغازی، وان کریم کی ایڈیٹر شپ میں ۱۸۵۶ء میں طبع ہوئی اور صحابہ کرامؓ کے حالات میں حافظ ابن حجر کی اصحابہ فی احوال الصحابہ طبع ہوئی اور جنہوں نے (جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے) کہ وہ پہلے یورپین شخص ہیں جس نے خاص ابتدائی عربی ماخذوں سے، ”لائف آف محمدؐ“ لکھی ہے۔ اور مخالفانہ لکھی ہے، وہ بھی اصحابہ کے انگریزی مقدمہ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۳ء - ۱۸۶۲ء میں لکھتے ہیں:

”کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔“

صحابہ کرامؓ کی تعداد حیات نبویؐ کے اخیر سال حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ تھی، ان میں گیارہ ہزار آدمی ایسے ہیں جن کے نام و نشان آج تحریری صورت میں تاریخ کے اوراق میں جو خاص انہی کے حالات میں لکھے گئے ہیں، اس لئے موجود ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک نے کم و بیش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و واقعات میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا ہے یعنی جنہوں نے روایت کی خدمت انجام دی ہے اور یہی سبب ان کی تاریخی زندگی کا ہے۔

اللہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور تقریباً ۱۰ تک اکابر صحابہؓ عالم وجود میں رونق افروز رہے ۱۰ تک اصغر صحابہؓ کی جو عہد نبوت میں کم سن تھے، خاصی تعداد موجود تھی اور صدی کے ختم ہونے تک

On the Origin and progress of writing down historical facts among Musalmans.

۱۸۵۶ء میں لکھی اور آلہ آباد سے شائع ہوئی۔

اس نور نبوت کا تقریباً ہر چراغ گل ہو گیا تھا۔ ہر شہر میں سب سے آخر وفات پانے والے صحابیوں کے نام اور سال وفات یہ ہیں :

شمار	اسم گرامی	نام شہر	سال وفات
۱	ابو امامہ باہلیؓ	شام	۸۶ھ
۲	عبداللہ بن حارث بن جرمؓ	مصر	۸۶ھ
۳	عبداللہ بن ابی اوفیؓ	کوفہ	۸۷ھ
۴	سائب بن یزیدؓ	مدینہ	۹۱ھ
۵	انس بن مالکؓ	بصرہ	۹۳ھ

حضرت انس بن مالکؓ جنہوں نے اس فہرست میں سب سے آخر جگہ پائی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے، دس برس تک مستقل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے ہیں، وہ ۹۳ھ میں وفات پاتے ہیں۔ تابعین یعنی صحابہؓ کے تلامذہ کا دور ۱۰ھ کے آغاز سے اس طرح شروع ہوتا ہے کہ گو وہ پیدا ہو چکے تھے، مگر آنحضرتؐ کی زیارت سے محروم رہے یا بہت بچے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض نہ حاصل کر سکے، چنانچہ عبدالرحمن بن حارث تابعیؓ تقریباً ۱۳ھ میں، قیس بن ابی حازمؓ ۱۴ھ میں، سعید بن مسیبؓ ۱۴ھ میں پیدا ہو چکے تھے۔ یہ دکھانے کے لئے کہ صحابہؓ کے بعد اگر وہ درگروہ تابعین جو دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقائع و حالات، اور احکام و قضایا کی تعلیم و تبلیغ اور اشاعت میں مصروف تھے۔ ان کی مجموعی تعداد کیا ہوگی میں صرف ایک مدینہ کے تابعین کی تعداد ابن سعد کے حوالہ سے بتاتا ہوں، طبقہ اولیٰ

یعنی ان تابعیوں کی تعداد جنہوں نے بڑے بڑے صحابہؓ کو دیکھا تھا۔ اور ان سے واقعات و مسائل سُننے تھے، ۱۳۹ ہے۔ طبقہ دوم، یعنی وہ تابعی جنہوں نے مدینہ میں عام صحابیوں کو دیکھا اور ان سے سنا ۱۲۹ ہیں۔ طبقہ سوم کے وہ تابعین جنہوں نے متحد دیا کسی ایک صحابی کو دیکھا اور ان سے سنا ۸۷ ہیں۔ اس طرح تابعین کی کل تعداد ۳۵۵ ہے، یہ تعداد صرف ایک شہر کی ہے، اسی سے مکہ معظمہ، طائف، بصرہ، کوفہ، دمشق، یمن، مصر، وغیرہ کے ان تابعیوں کا اندازہ لگاؤ جو اپنے اپنے شہروں میں صحابہ کرامؓ کے تلمذ کا شرف رکھتے تھے اور جن کے روزِ شب کا مشغلہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کی اشاعت و تبلیغ تھی، اس اہتمام کو خیال کرو کہ ہر صحابیؓ سے جو کچھ روایتیں ہیں ان میں سے ہر ایک کا شمار کر لیا گیا، اور وہ گن لی گئیں۔ اس سے اندازہ کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و اقوال کی فراہمی میں کس قدر تبلیغ اہتمام کیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے جن اصحاب کی سب سے زیادہ روایتیں ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

شمار	اسمائے گرامی	روایتوں کی تعداد	سال وفات
۱	حضرت ابو ہریرہؓ	۵۳۷۴	۵۹ھ
۲	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲۶۶۰	۶۸ھ
۳	حضرت عائشہ صدیقہؓ	۲۲۱۰	۵۸ھ
۴	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۱۶۳۰	۷۳ھ
۵	حضرت جابر بن عبداللہؓ	۱۵۶۰	۷۸ھ
۶	حضرت انس بن مالکؓ	۱۲۸۶	۹۳ھ
۷	حضرت ابوسعید خدریؓ	۱۱۷۰	۷۲ھ

یہی وہ لوگ ہیں جن کی روایات آج سیرت نبوی کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں ان کی وفات کی "تاریخوں" پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ ان کی وفات کے سال اس قدر متنازع ہیں کہ ان سے فیض اٹھانے اور ان کی روایتوں کو حفظ اور تدوین کرنے والوں کی تعداد بیشمار ہوگی۔ انہی باتوں کی واقفیت اور آگاہی کا نام اس زمانہ میں علم تھا اور وہ دینی اور دنیاوی دونوں عزتوں کا ذریعہ تھیں، اس لئے ہزاروں صحابہؓ نے جو کچھ دیکھا اور جانا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلوغاً (مجھ سے جو کچھ سنوا اور دیکھو اس کی اشاعت کرو) یا فلیبلغ الشاهد الغائب (جو مجھے دیکھ رہے ہیں اور مجھ سے سُن رہے ہیں، وہ اُن کو مطلع کر دیں، جو اس سے محروم رہے ہیں) کے مطابق وہ سب اپنی اپنی اولادوں، عزیزوں و دوستوں اور ملنے والوں کو سُنا تے اور بتاتے رہتے تھے، یہی ان کی زندگی کا کام اور یہی ان کے شب و روز کا مشغلہ تھا۔ اس لئے صحابہؓ کے بعد فوراً ہی دوسری جہاں پودھ ان معلومات کی حفاظت کے لئے کھڑی ہو گئی۔ ان میں سے ہر ایک کو ہر واقعہ کا لفظ لفظ یاد کرنا پڑا تھا، ان کو دہرانا پڑتا تھا اور حرفاً حرفاً محفوظ رکھنا پڑتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنے اقوال و افعال کی اشاعت کی تاکید کی تھی، وہاں یہ بھی تہدید کر دی تھی کہ "جو کوئی میرے متعلق قصداً کوئی غلطی بھٹو بات بیان کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔" اس اعلان کا یہ اثر تھا کہ بڑے بڑے صحابہؓ روایت کرتے وقت کانپنے لگتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات نقل کی تو چہرے کا رنگ بدل گیا، نخر اُگئے، پھر کہا "حضورؐ نے ایسا ہی فرمایا تھا، یا اسی کے قریب قریب فرمایا تھا۔" عربوں کا حافظہ فطرۃً نہایت قوی تھا۔ وہ سیکڑوں شعروں کے قصیدے ربانی یاد رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ فطرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جس قوت سے جس قدر کام

لیا جائے، اسی قدر اس کو زیادہ ترقی ہوتی ہے۔ صحابہؓ اور تابعین نے قوتِ حفظ کو معراجِ کمال تک پہنچایا، وہ ایک ایک واقعہ اور ایک ایک حدیث کو اس طرح زبانی سن کر یاد کرتے تھے، جیسے آج مسلمان قرآن مجید کو یاد کرتے ہیں۔ ایک ایک محدث کئی کئی ہزار اور کئی کئی لاکھ حدیثیں زبانی یاد کرتا تھا اور یاد رکھتا تھا اور گو بعد میں لوگ اپنی یادداشت کے لئے لکھ بھی لیتے تھے مگر جب تک وہ زبانی یاد نہ رکھتے اہل علم کی نگاہوں میں ان کی عزت نہیں ہوتی تھی اور وہ خود اپنی تحریری یادداشتوں کو عیب کی طرح چھپاتے تھے تاکہ لوگ ایسا نہ سمجھیں کہ ان کو یہ چیزیں یاد نہیں ہیں۔

دوستو! بعض اور نینٹلسٹ اسکالرس اور بعض پڑھے لکھے مشنریوں نے جن میں سب سے آگے سر ولیم مہیور اور گولڈزیئر ہیں، اس بنا پر کہ روایاتِ نبویؐ کی تحریر و تدوین کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ۹۰ برس بعد شروع ہوا، اُن کی صحت اور وثوق میں شک پیدا کرنا چاہا ہے۔ مگر ہم نے جس طرح اوپر تفصیل آپ کے سامنے پوری روداد رکھی ہے اور بتایا ہے کہ صحابہؓ کس طرح واقعات کو یاد رکھتے تھے، کس طرح احتیاط برتتے تھے، کس طرح آنے والی نسلوں کو وہ امانت سپرد کرتے تھے، اس سے خود اندازہ ہو گا کہ گو وہ روایاتِ تحریری صورت میں بہت بعد کو آئی ہوں تاہم ان کی صحت اور وثوق میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔

صحابہؓ نے اپنے معلومات کو تین اسباب سے قیدِ تحریر میں لانا مناسب نہیں سمجھا۔

۱۔ ابتداءً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے علاوہ کسی اور چیز کو کتاب کی صورت میں لکھنے کی ممانعت کر دی تھی اور فرمایا تھا کہ قرآن کے علاوہ

مجھ سے کچھ نہ لکھو لا تکتبوا علی غیر القرآن اور یہ اس لئے تھا کہ عام لوگوں کو قرآن اور غیر قرآن میں باہمی التباس نہ ہو جائے چنانچہ جب قرآن مسلمانوں میں پوری طرح محفوظ ہو گیا تو آخر میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کو احادیث کی تحریر کی اجازت دیدی، اس پر بھی اکثر صحابہؓ ان کو قید تحریر میں لانے سے اخیر دم تک احتیاط برتتے رہے۔

۲۔ صحابہؓ کو ڈر تھا کہ وقائع کے تحریری صورت میں آجانے کے بعد لوگوں کو پھر ان کے ساتھ وہ اعتنا، توجہ اور مشغولیت باقی نہیں رہے گی اور لوگ تحریری مجموعہ کے موجود رہنے کے سبب سے ان کے تحفظ اور زبانی یاد رکھنے کی محنت سے جی پڑائیں گے۔ یہ ڈر بالکل صحیح ثابت ہوا، چنانچہ جیسے جیسے سفینوں کا علم بڑھتا گیا، سینوں کا علم گھٹتا گیا، نیز اسی سلسلہ میں ان کو یہ بھی خیال تھا کہ ہر کس و ناکس کتاب کے مجموعہ کو ہاتھ میں لے کر عالم بننے کا دعوے کر بیٹھے گا، چنانچہ یہ بھی ہوا۔

۳۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ ابھی تک عرب میں کسی واقعہ کو لکھ کر اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا، لوگ اس کو اپنی کمزوری کا اعلان خیال کرتے تھے، اس لئے کوئی چیز تحریر بھی کر لینے تو اس کو چھپائے رکھتے تھے۔ محدثین کا خیال تھا کہ زبانی یادداشت تحریری یادداشت سے زیادہ محفوظ صورت ہے، یادداشت کو دوسروں کے تصرف سے محفوظ نہیں رکھا جاسکتا ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ کوئی اس میں کمی بیشی نہ کر دے مگر جو نقوش دلوں کی لوجوں پر کندہ ہو جاتے ہیں، ان میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔

آج پہلی دفعہ آپ کی مجلس اور سب سے پہلے آپ کی مجلس میں اس حقیقت کو آشکارا کیا جاتا ہے کہ یہ قطعاً غلط ہے کہ سو برس یا نوے برس تک

وقائع و اقوال نبی کا دفتر صرف زبانی روایتوں تک محدود رہا۔ اس غلط فہمی کا اصلی سبب یہ ہے کہ احادیث و اخبار نبوی کی پہلی کتاب امام مالکؒ کی موطا، اور مغازی و سیرت میں ابن اسحاقؒ کی کتاب المغازی سمجھی جاتی ہے یہ دونوں بزرگوار، ہم عصر تھے اور ان کی وفات بہ ترتیب ۸۰ھ اور ۸۵ھ میں ہوئی اس لئے اخبار و سیر کی سب سے پہلی تدوین کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا اوائل سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس سے بہت پہلے احادیث و اخبار کی ترتیب و تدوین کا سراغ لگتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ۱۸۰ھ میں وفات پائی، وہ خود بڑے عالم تھے، مدینہ کے امیر بھی رہ چکے تھے، ۹۹ھ میں خلیفہ ہوئے انہوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے قاضی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو جو حدیث و خبر کے بڑے امام تھے فرمان بھیجا کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن و اخبار کی تحریر و تدوین کا کام شروع کر دو، کیونکہ مجھے رفتہ رفتہ علم کے گم ہو جانے کا ڈر ہو رہا ہے“ یہ واقعہ تعلیقات بخاری، موطا اور مسند دارمی وغیرہ میں مذکور ہے۔ چنانچہ اس فرمان کی تعمیل کی گئی اور اخبار و احادیث و سنن و فواتر میں لکھ کر دار الخلافہ میں آئے اور ان کی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ کے مرکزی شہروں میں بھی گئیں، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کا انتخاب اس کام کے لئے اس لئے ہوا کہ وہ خود امام تھے۔ مدینۃ العلم مدینہ منورہ میں قاضی وقت تھے لیکن اس کے علاوہ اس لئے بھی یہ انتخاب موزوں تھا کہ ان کی خالہ عمرہ، حضرت عائشہؓ کی سب سے بڑی شاگردہ تھیں، اور ان کی یہ روایتیں جو حضرت عائشہؓ سے تھیں ان کا سرا یہ ابوبکر بن حزم کے پاس پہلے سے جمع تھا، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو خاص عمرہ کی روایتوں کی تدوین کے متعلق بھی حکم دیا تھا۔

عہد نبویؐ کا تحریری سرمایہ | آگے بڑھ کر ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ خود عہد نبویؐ ہی میں اخبار و سیر اور احکام و سنن کا تحریری سرمایہ جمع ہونا شروع ہو چکا تھا، فتح مکہ کے موقع پر آپؐ ایک خطبہ دیا تھا صحیح بخاری میں ہے کہ ابو شاہؓ ایک یمنی صحابی کی درخواست پر آپؐ نے یہ خطبہ لکھ کر ان کے حوالے کرنے کا حکم دیا (باب کتابتہ العلم) آنحضرت صلی علیہ وسلم نے سلاطین عالم کے نام جو خطوط روانہ کئے وہ لکھے ہوئے تھے، دس پندرہ برس ہوئے کہ مصر میں آپؐ کا جو خط مقوقش شاہ مصر کے نام آپؐ نے بھیجا تھا، ایک عیسائی گرجے کی کسی کتاب کی جلد میں لگا ہوا ملا ہے، گمان کیا جاتا ہے کہ وہ بعینہ وہی نامی نامہ ہے جو آپؐ نے لکھوایا تھا، اس کے فوٹو عام طور سے ملتے ہیں یہ پُرانے عربی خط میں ہے اور اس کی بعینہ وہی عبارت ہے اور مہر میں نام کے وہی الفاظ اور صورت تحریر ہے جس طرح حدیثوں میں بیان آیا ہے یہ اسلامی روایات کی صداقت کی کتنی بڑی دلیل ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص کے سوا مجھ سے زیادہ کسی کو حدیث یاد نہیں مجھ سے زیادہ ان کے پاس حدیثوں کا سرمایہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے اس کو لکھتے جاتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا (بخاری باب کتابتہ العلم) ابو داؤد اور مسند ابن حنبل میں ہے کہ بعض لوگوں نے عبداللہ بن عمروؓ سے کہا کہ آنحضرتؐ کبھی غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں کبھی خوش رہتے ہیں اور تم سب کچھ لکھ لیتے ہو۔ عبداللہ بن عمروؓ نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ”تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق نکلتا ہے۔ (ابو داؤد: جلد ۲ صفحہ ۷۷) عبداللہ بن عمروؓ نے اپنے اس مجموعہ کا نام صادقہ رکھا تھا۔ (ابن سعد: جلد ۲ قسم ۲ ص ۱۲۵) اور کہا کرتے

تھے کہ مجھے اپنی زندگی کی آرزو صرف دو چیزوں نے پیدا کر دی ہے، جن میں ایک یہ صادقہ ہے، اور صادقہ، وہ صحیفہ ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا ہے۔ (داری ۲۹) مجاہد کہتے ہیں کہ ہم نے عبد اللہ بن عمرو صحابیؓ کے پاس ایک کتاب رکھی دیکھی، دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ صادقہ جس کو میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ جس میں میرے اور آپ کے درمیان کوئی دوسرا نہیں ہے (ابن سعد: ۲-۲-۱۲۵) صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے مدینہ آنے کے کچھ مدت بعد مسلمانوں کی مردم شماری کرائی اور ان کے نام لکھوائے تو پندرہ سو ہوئے (باب الجہاد)۔ زکوٰۃ کے احکام، مختلف چیزوں پر زکوٰۃ اور اس زکوٰۃ کی مختلف شرحیں جو پورے دو صفحوں میں ہیں ان کو لکھوا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمراء کو بھیجا تھا اور وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھیں (دارقطنی: ۲۰۴) حضرت علیؓ کے پاس صحیفہ تھا جو ان کی تلوار کے نیام میں پڑا رہتا تھا اس میں متعدد حدیثیں متعلقہ احکامات لکھیں تھیں اور انہوں نے اس کو لوگوں کی درخواست پر دکھایا (بخاری ۲ صفحہ ۱۰۸۲ و ۱۰۲) حدیث میں جو صلنامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان حضرت علیؓ نے لکھا تھا اس کی ایک نقل قریش نے لی اور ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس رکھی (ابن سعد: مغازی- ص ۷۱) عمرو بن حزم کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ایک تحریر لکھوا کر حوالے کی، جس میں فرائض، صدقات، دیات وغیرہ کے متعلق بہت سی ہدایتیں تھیں، (کنز العمال ۳ صفحہ ۱۸۶) عبد اللہ بن الجحیم رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ پہنچا، جس میں مردہ جانور کے متعلق حکم درج تھا (معجم صغیر طبرانی صفحہ ۱۲۷) وائل بن حجر صحابیؓ جب بارگاہ نبوی سے اپنے وطن حضرموت جانے لگے

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خاص طور پر ایک نامہ لکھوایا، جس میں نماز روزہ، بلو، شراب اور دیگر احکام تھے۔ (بغیرانی صغیر صفحہ ۲۴۲) ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مجمع سے پوچھا کہ کسی کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کی دیت میں سے بیوی کو کیا دلایا؟ ضحاک بن سفیان نے کھڑے ہو کر کہا، مجھے معلوم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ لکھو کر بھیجا تھا۔ (دارقطنی صفحہ ۲۸۵)

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اپنے عہد خلافت (۹۹ھ - ۱۰۱ھ) میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے متعلق مذاقات کی تلاش کے لئے اہل مدینہ کے پاس قاصد بھیجا تو وہ آل عمرو بن حزم کے ہاں مل گیا۔ (دارقطنی: ۲۵۱) آپ نے اہل یمن کو جو احکام لکھو کر بھجوائے تھے، ان میں یہ مسئلہ تھے: قرآن صرف پاکی کی حالت میں پھو ا جائے، غلام خریدنے سے پہلے آزاد نہیں کیا جاسکتا اور نکاح سے پہلے طلاق نہیں۔ (دارمی: صفحہ ۲۹۳) حضرت معاذؓ نے آنحضرت سے لکھ کر غالباً یمن سے یہ دریافت کیا کہ ”کیا سبزپوں میں زکوٰۃ ہے؟“ آپ نے تحریری جواب دیا کہ سبزپوں پر زکوٰۃ نہیں۔ (دارقطنی: صفحہ ۴۵) مروان نے خطبہ میں بیان کیا کہ مکہ حرم ہے، رافع بن خدیج صحابیؓ نے پکار کر کہا ”اور مدینہ بھی حرم ہے، اور یہ حکم میرے پاس لکھا ہوا موجود ہے، اگر تم چاہو تو میں اس کو پڑھ کر سناؤں“ (ابن حنبل: ج ۴ ص ۱۴۱) ضحاک بن قیس نے نعمان بن بشیر صحابیؓ کو لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کو نماز میں سورۃ جمعہ کے سوا اور کون سی سورۃ پڑھتے تھے؟ انہوں نے جواب لکھا کہ هَلْ اَتَاكَ (مسلم ۳۲۳) حضرت عمرؓ نے عتبہ بن فرقہ کو خط لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حریر پہننے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم ۲ - ۷ - ۳)

یہ وہ احکام و مسائل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف لوگوں کو لکھوا کر دیئے یا بھجوائے، ہمارے پاس ایسے شواہد بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے صحابہ احکام و سنن کو کتابی صورت میں لائے بالانا چاہا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایک مجموعہ اپنے زمانہ خلافت میں مرتب کیا پھر اس کو پسند نہ کیا اور مٹا دیا (تذکرۃ الحفاظ) حضرت عمرؓ نے اس مسئلہ پر اپنے زمانہ خلافت میں غور کیا، اور بہت کچھ سوچنے رہے مگر پھر ہمت نہ کی۔ ابھی آپؐ سن چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ایک نسخہ لکھا تھا، جس میں آپؐ کے ملفوظات تھے، مختلف لوگ اس کو دیکھنے آتے تھے اور وہ اس کو دکھاتے تھے (ترمذی ۵۸۶) حضرت علیؓ کے فتاویٰ کا بڑا حصہ لکھا ہوا حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں لایا گیا (مسلم: مقدمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایتوں کے مختلف تحریری مجموعے تھے۔ اہل طائف میں سے کچھ لوگ ان کا ایک مجموعہ ان کو پڑھ کر سنانے کے لئے لائے۔ (کتاب العلل) ترمذی صفحہ ۶۹۱) سعید بن جبیرؓ ان کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے۔ (دارمی ۶۹) عبد اللہ بن عمروؓ کا صحیفہ صادقہ ان کے پوتے عمرو بن شعیب کے پاس موجود تھا (ترمذی ۶۱ و ۱۱۳) اور یہ بیچارے اس لئے ضعیف سمجھے جاتے تھے کہ وہ اپنے دادا کی کتاب دیکھ کر روایت کرتے ہیں، خود حافظ نہیں ہیں (تہذیب: ۸، ۴۹) حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایتوں کا مجموعہ وہبؓ نامی نے بنایا گیا تھا جو اسمعیل بن عبدالکریم کے پاس تھا اور وہ اس لئے ضعیف سمجھے جاتے تھے (تہذیب: ج ۱ ص ۳۱۶) حضرت جابرؓ کی روایتوں کا دوسرا مجموعہ سلیمان بن قیس لشکری نے تیار کیا تھا، اور ابوالزبیرؓ، الاسفیان اور شعبیؓ نے جو ائمہ حدیث ہیں اور تابعی ہیں حضرت جابرؓ کے صحیفہ کو ان سے سنا تھا (تہذیب: ج ۶ ص ۲۱۱) سمرہ بن جندبؓ صحابی

سے ان کے بیٹے سلیمان روایتوں کا ایک نسخہ روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کے بیٹے حبیب (تہذیب التہذیب ۴-۱۹۸) حضرت ابو ہریرہؓ جن سے زیادہ صحابہ میں کوئی حافظ حدیث نہ تھا، ان کی روایتوں کا کچھ مجموعہ ہمام بن منبہ نے تیار کیا جو ”صحیفہ ہمام“ کے نام سے احادیث میں مشہور ہے، اس کو امام ابن حنبل نے مسند جلد ۲ میں صفحہ ۳۱۲ سے صفحہ ۳۱۸ تک نقل کیا ہے۔ بشیر ابن نہیک نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ان کی روایتوں کا مجموعہ لکھا اور پھر اس کی روایت کی ان سے اجازت لی (کتاب العلل، ترمذی: ۶۹۱، ۶۸) حضرت ابو ہریرہؓ ایک دفعہ ایک صاحب کو اپنے مستقر پر بلا کر لائے اور دکھایا کہ یہ اوراق میرے مرویات ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ سے نہیں بلکہ کسی اور کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ (فتح الباری: جلد ۱ ص ۱۸۴، ۱۸۵)۔

حضرت انسؓ دوسرے صحابی ہیں جن سے بکثرت روایتیں ہیں، وہ خود اپنے بیٹوں سے کہا کرتے تھے کہ ”میرے بچو! علم کو تحریر کی قید و بند میں لاؤ (دارمی: ۶۸) ابان ان کے شاگرد ان کے سامنے بیٹھ کر ان کی روایتیں قید تحریر لایا کرتے تھے (دارمی: ۶۸) سلمیٰ ایک خاتون کہتی ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو دیکھا کہ وہ ابو رافعؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام سے آنحضرتؐ کے کارنامے لکھا کرتے تھے۔ (ابن سعد ۲ قسم ۲ ص ۱۲۳) واقدی سیرت نبویؐ کے ابتدائی مصنفین میں سے ایک سے بیان کرتا ہے کہ منذر بن ساوی رئیس عمان کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط بھیجا تھا وہ ابن عباسؓ کی کتابوں کے ساتھ میں نے دیکھا (زاد المعاد: ۲، ۵۷) غزوہ بدر کا مفصل حال عروہ بن زبیر نے لکھ کر خلیفہ عبدالملک کو بھیجا تھا (طبری: ۱۲۸۵) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص

اور اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا اذن عام تھا ان کو شکایت تھی کہ لوگ میرے پاس آکر سُن جاتے ہیں اور پھر اس کو جا کر لکھ لیتے ہیں اور میں قرآن کے سوا کسی اور چیز کے لکھنے کو حلال نہیں جانتا۔ (دارمی: ۶۷: سنجید بن جبیر تابعی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے رات کو روایتیں سُنتا تھا تو پالان پر لکھتا تھا، صبح کو پھر میں اس کو صاف کر لیتا تھا، (دارمی: ۲۹) برآبر ابن عازبؓ صحابیؓ کے پاس لوگ بیٹھ کر اُن کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے (دارمی: ۶۹) نافع جو حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں ۳۷ برس رہے تھے وہ اپنے سامنے لوگوں کو لکھوایا کرتے تھے (دارمی: ۶۹) عبداللہ ابن مسعودؓ کے صاحبزادے عبدالرحمان ایک کتاب نکال لائے اور قسم کھا کر کہا یہ خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے (جامع: ۱۷: سنجید بن جبیر کہتے ہیں کہ ہم لوگوں میں بعض باتوں میں اختلاف ہوتا تھا تو ان کو لکھتے تھے، پھر حضرت ابن عمرؓ کے پاس اس یادداشت کو چھپا کر لاتے تھے ان سے پوچھتے تھے، اگر ان کو اس کا پتہ چل جاتا تو بس ہمارے ان کے درمیان فیصلہ ہی تھا (جامع: ۳۳) اسودؓ تابعی کہتے ہیں کہ مجھ کو اور علقمہ کو ایک صحیفہ مل گیا اس کو لے کر ہم حضرت ابن عمرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے مٹا دیا (جامع: ۳۳) حضرت زید بن ثابتؓ کا تب وحی تھے، ان کو بھی روایتوں کو تحریر میں لانے سے انکار تھا، تو مروان نے یہ تدبیر کی کہ اُن کو سامنے بٹھایا اور پر وہ کیے بھیجے کا تب مقرر کئے کہ وہ بولتے جائیں، یہ لکھتے جائیں۔ (جامع: ۳۳) حضرت معاویہؓ نے بھی اُن کی ایک حدیث اسی طرح لکھوائی تھی۔ لیکن وہ تاڑ گئے اور زبردستی مٹا دی۔ (احمد ص ۱۸۲)

حضرات! شاید آپ ٹھوس واقعات اور اشخاص کے نام سُنتے سُنتے گھبرا

اُٹھے ہوں، لیکن اطمینان رکھئے کہ اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے جہاں سے صفا اور سیدھا راستہ نظر آ رہا ہے۔ میں نے ان اقتباسات اور حوالوں میں یہ دکھایا ہے کہ تحریری سرمایہ ہی اگر دنیا میں قابل وثوق ہو سکتا ہے تو خود عہد نبوی میں صحابہؓ نے اپنے ہاتھوں سے اس کو جمع کیا اور پھیلوں کے لئے یادگار چھوڑا، اور پھیلوں نے اس کو اپنی کتابوں میں داخل کر لیا۔ اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صحابہؓ ہی کی زندگی میں تابعین نے ان کے تمام مرویات، واقعات اور حالات کو ایک ایک سے پوچھ کر، ایک ایک کے دروازہ پر جا کر بوڑھے، جوان، عورت، مرد سب سے تحقیق کر کے ہمارے لئے فراہم کر دیا تھا۔ محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطاء بن ابی رباح، سعید بن جبیر، ابوالزناد وغیرہ سیکڑوں تابعین ہیں جنہوں نے دیوانہ وار ایک ایک گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا اور ہمارے سامنے اس کا انبار لگا دیا، شہاب زہری نے جو حدیث و سیرت کے بڑے امام ہیں۔ آنحضرتؐ کی ایک ایک چیز کو لکھا۔ ابوالزناد کہتے ہیں کہ ہم صرف حلال و حرام لکھتے رہتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے وہ سب لکھتے جاتے تھے (جامع ۳۷۷) ابن کبیر کہتے ہیں کہ میں اور زہری طلب علم میں ساتھ تھے، میں نے کہا کہ میں سنن لکھوں گا، چنانچہ جو کچھ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تھا سب لکھا۔ زہری نے کہا، صحابہؓ سے جو کچھ متعلق ہے وہ بھی لکھو کہ وہ بھی سنت ہے۔ میں نے کہا وہ سنت نہیں میں نے نہیں لکھا انہوں نے لکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب ہوئے اور میں برباد ہو گیا۔ (ابن سعد ۲، قسم ۲۔ صفحہ ۱۳۵) ان امور کو قید تحریر میں لانے والے سیکڑوں تابعی تھے، جن میں سے ایک امام زہری ہیں۔ صرف ان کی تحریروں کا انبار اتنا تھا کہ وہید بن یزید کے قتل کے بعد زہری کے یہ دفتر جانوروں پر بار کر کے خزانے سے

لائے گئے تھے۔

امام زہری رحمہ اللہ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۲ھ میں وفات پائی، وہ نسباً قریشی تھے۔ انہوں نے جس محنت، کاوش اور استقصا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اقوال جمع کئے، اس کا اندازہ مورخین کے اس بیان سے کرو کہ ”وہ مدینہ منورہ کے ایک ایک انصاری کے گھر جاتے، جوان، بڑھے، عورت، مرد جو مل جاتا یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور حالات پوچھنے اور قلمبند کرتے۔ (تہذیب ترجمہ زہری) اس زمانہ میں بکثرت صحابہؓ زندہ تھے۔ زہری کے تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے اور یہ کل کے کل روز و شب آنحضرتؐ کے اقوال افعال کی جمع و ترتیب تعلیم تدریس اور نشر و اشاعت میں مشغول تھے، یہی ان کی زندگی کا کام تھا۔ اس کے سوا دنیا کے ہر کام سے وہ کنارہ کش ہو چکے تھے۔

غلط فہمی کا بڑا سبب یہ ہے کہ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث و سیر کی تدوین کا کام تابعین نے شروع کیا اور تابعین ان کو کہتے ہیں جنہوں نے صحابہؓ کو دیکھا اور ان سے فیض پایا اور صحابہؓ کا زمانہ سو برس تک تقریباً رہا، تابعین کا عہد ستو برس کے بعد شروع ہوا اور اس طرح گویا تدوین و تحریر کے سلسلے کا آغاز سو برس کے بعد ہوا حالانکہ یہ تمام تر غلط ہے۔ تابعین ان کو کہتے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا اور صحابہؓ کی زیارت کی اور ان سے مستفید ہوئے، عام اس سے کہ وہ آنحضرتؐ کے زمانے میں ہوں مگر زیارت کا موقع نہ ملا ہو، یا عہد نبوی کے آخر میں پیدا ہوئے اس لئے آپؐ سے فیضیاب نہ ہوئے، یا آپؐ کی وفات (ریح الاول رحمہ اللہ) کے بعد پیدا ہوئے وہ سب تابعین میں داخل ہیں،

اس طرح دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ تابعین کا عہد خود آپ کی زندگی ہی میں اور کم سے کم یہ کہ اسی عہد سے شروع ہو گیا تھا، اس لئے اسی عہد سے جو کام شروع ہوا اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ تابعین نے اس کام کا آغاز کیا۔ تابعین کا کارنامہ ہونے کے لئے ایک ایک صحابی کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی ضرورت نہیں اور نہ سو برس کا زمانہ گزرنے کی حاجت ہے وہ تو تابعیت کا آخری عہد ہے، جس کے بعد تابعیت کے شرف کا خاتمہ ہوتا ہے کیونکہ صحابہؓ کے وجود کا خاتمہ ہو گیا جن کے دیدار کے شرف سے لوگ تابعی بنتے تھے۔ الغرض اس تفصیل سے نا ت ہوگا کہ یہ کہنا کس درجہ دھوکا ہے کہ مسلمانوں میں اخبار و سیر کی ترتیب کا کام سو برس بعد شروع ہوا۔

مسلمانوں میں اخبار و سیر اور احکام و سنن کی ترتیب اور تدوین کے حقیقت تین دور ہیں۔ اول جب ہر شخص نے صرف اپنے ذاتی معلومات کو یکجا کیا، دوسرا دور وہ آیا جب ہر شہر کے معلومات ایک جگہ فراہم کئے گئے۔ تیسرا دور وہ تھا جب تمام دنیائے اسلام کے معلومات اکٹھا کئے گئے اور ان کو موجودہ کتابوں کی صورت میں جمع کیا گیا۔ پہلا دور غالباً ۱۰ھ تک قائم رہا۔ دوسرا دور ۱۰ھ تک رہا اور تیسرا دور ۱۰ھ سے تیسری صدی کے بعد کچھ دنوں تک قائم رہا۔ پہلا دور صحابہؓ اور اکابر تابعینؓ کا تھا، دوسرا دور تبع تابعینؓ کا اور تیسرا دور امام بخاریؒ، امام ابو مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا تھا۔ پہلے دور کا تمام سرمایہ دوسرے دور کی کتابوں میں ہے، اور دوسرے دور کی کتابوں کا تمام مواد تیسرے دور کی کتابوں میں کھپا دیا گیا ہے اور دوسرے اور تیسرے دور کی کتابوں کا تمام سرمایہ آج ہزاروں اوراق میں ہمارے پاس موجود ہے اور دنیا کی تاریخ کا سب سے گراں بہا سرمایہ اور معتبر ذخیرہ ہے جس سے زیادہ

مستند اور معتبر دنیا کی تاریخ کے خزانے میں کوئی اور ذخیرہ نہیں۔

حضرت الاستاذ علامہ شبلی نعمانیؒ کے بقول ”اس قسم کی زبانی روایتوں کے قلمبند کرنے کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آیا ہے، یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کئے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جانا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں، جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا۔ ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لئے جاتے ہیں جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں۔ محفوظے زمانے کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں، یورپ کی اکثر یورپین تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا، وہ اس سے بہت زیادہ بلند ہے۔ اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے، اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام درمیانی راویوں کے نام بہ ترتیب بیان کئے جائیں، اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے، کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کا چال چلن کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا۔ لیکن سیکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کریں۔ ایک ایک شہر میں گئے، راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کئے، انہی تحقیقات کے ذریعہ سے اسما الرجال کا وہ عظیم الشان فن ایجاد کیا۔ جس کی بدولت کم از کم کئی لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔“

یہ تو صرف روایت کے متعلق تھا، اصول تنقید اور درایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کے پرکھنے کے اصول و قواعد الگ ترتیب دیئے اور بتایا کہ کیونکر اس حیثیت سے روایتوں کی تصحیح یا تغلیط کی جاسکتی ہے راویوں کی پھان بین اور تحقیق میں اس درجہ دیانتداری اور حق گوئی سے کام لیا کہ وہ واقعات آج اسلام کے مفاخرین ہیں۔ راویوں میں بڑے بڑے خلفاء اور ائمہ بھی تھے جن کی تلواروں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، مگر محدثین نے نڈر ہو کر سب کی پردہ دری کی اور ان کو وہی درجہ دیا جو اس بارگاہ میں ان کو مل سکتا تھا، امام وکیع بڑے محدث تھے لیکن ان کے باپ سرکاری خزانیچی تھے، اس بنا پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے، یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس احتیاط اور حق پسندی کی کوئی حد ہے؟ مسعودی ایک محدث ہیں ۱۵۴ھ میں ایک امام معاذ بن معاذ نے ان کو دیکھا کہ ان کو اپنی تحریری یادداشت کے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انہوں نے فوراً ان کے حافظہ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کر دی۔ یہی امام معاذ بن معاذ وہ بزرگ ہیں کہ ان کو ایک شخص نے دس ہزار دینار جس کی قیمت آج دس ہزار گنی سے زیادہ ہے، صرف اس معاوضہ میں پیش کرنے چاہے کہ وہ ایک شخص کو معتبر (عدل) اور غیر معتبر کچھ نہ کہیں، یعنی اس کے متعلق خاموش رہیں انہوں نے اشرافیوں کے اس توڑے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ ”میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا“ کیا تاریخ اس سے زیادہ احتیاط اور اس سے زیادہ دیانت داری کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟ اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام کچا پکا، صحیح اور غلط، قوی

اور ضعیف قابل قبول روایتوں کا انبار آج بھی دنیا کے سامنے موجود ہے اور آج بھی انہی اصول کے مطابق ہر ایک واقعہ کی پوری تنقید کی جاسکتی ہے اور دھڑے کھوٹے کو الگ کیا جاسکتا ہے۔

حضرات! ان خشک تحقیقات میں میں نے آپ کا بڑا وقت لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا تاریخی پہلو اب بڑی حد تک آپ کے سامنے آگیا ہو گا، اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور واقعات کا جو سرمایہ فراہم ہوا اس کے کیا کیا ماخذ قرار پائے اور اس کو کس کس طرح ترتیب دیا گیا، سیرت مبارکہ کا سب سے اہم، سب سے مستند، سب سے زیادہ صحیح تو وہ حصہ ہے جس کا ماخذ خود قرآن پاک ہے، جس کی صحت اور معتبرگی میں دوست کیا دشمن بھی شک نہ کر سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تمام ضروری اجزاء، قبل نبوت کی زندگی یتیمی، غربت، تلاش حق، نبوت، وحی، اعلان و تبلیغ، معراج، مخالفین کی دشمنی، ہجرت، لڑائیاں، وقائع، اخلاق سب اس میں موجود ہیں اور اس سے زیادہ معتبر تاویخ سیرت دنیا کے پردہ پر کوئی موجود نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا ماخذ، احادیث ہیں جو ایک لاکھ کے قریب ہیں، جن میں صحیح الگ، کمزور الگ اور جعلی الگ ہیں، صحاح ستہ کا سرمایہ ہے، جس کا ایک ایک واقعہ تولا اور پرکھا ہوا ہے، مسانید ہیں جن میں سب سے ضخیم امام ابن حنبل کا مسند جو چھ جلدوں میں ہے اور ان میں سے ہر جلد کی ضخامت مضر کے بڑے باریک صفحہ کے ٹائپ میں پانچ پانچ سو صفحوں سے کم نہ ہوگی۔ ان میں ایک ایک صحابی کی روایتیں الگ الگ ہیں، ان مجموعوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور تعلیمات سب کچھ ملے جاتے ہیں۔

۳۔ تیسرا ماخذ مغازی ہیں، یعنی وہ کتابیں جن میں زیادہ تر آنحضرتؐ کے صرف غزوات اور لڑائیوں کا حال، اور ضمناً اور واقعات بھی موجود ہیں ان میں مغازی عروہ بن زبیر، المتوفی ۹۴ھ۔ مغازی زہری، المتوفی ۱۲۴ھ۔ مغازی موسیٰ بن عقبہ، المتوفی ۱۴۱ھ۔ مغازی ابن اسحاق، المتوفی ۱۵۰ھ۔ مغازی زیاد بن کائی، المتوفی ۱۸۲ھ۔ مغازی واقدی، المتوفی ۲۰۰ھ وغیرہ قدیم ہیں۔

۴۔ چوتھا ماخذ عام تاریخ کی کتابیں ہیں، جن کا پہلا حصہ خاص آنحضرتؐ کے سوانح پر ہے، ان میں سب سے زیادہ معتبر اور مبسوط طبقات ابن سعد اور تاریخ الرسل والملوک امام ابو جعفر طبری۔ تاریخ صغیر و کبیر امام بخاری۔ تاریخ ابن حبان اور تاریخ ابن ابی خثیمہ بغدادی، المتوفی ۲۹۹ھ وغیرہ ہیں۔

۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور روحانی کارناموں کا الگ دفتر ہے جن کو کتب دلائل کہتے ہیں۔ مثلاً دلائل النبوت، ابن قتیبہ، المتوفی ۲۵۵ھ۔ دلائل امام بیہقی، المتوفی ۴۳۰ھ۔ دلائل ابو نعیم اصفہانی، المتوفی ۴۳۰ھ۔ دلائل مستغفری، المتوفی ۴۳۲ھ۔ دلائل ابوالقاسم شعیب اصفہانی، المتوفی ۴۳۵ھ اور سب سے زیادہ مبسوط کتاب اس فن میں خصائص کبریٰ ہے۔

۶۔ پانچواں ماخذ کتب شمائل ہیں یعنی وہ کتابیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف اخلاق و عادات اور فضائل و معمولات زندگی پر لکھی گئی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی اور سب سے مشہور کتاب امام ترمذی، المتوفی ۲۷۹ھ کی کتاب الشمائل ہے جس کی بڑے بڑے علماء نے بیسیوں شرحیں لکھی ہیں اور اب سے ضخیم اور بڑی کتاب اس فن کی کتاب الشافی حقوق المصطفیٰ قاضی عیاض کی اور اس کی شرح نسیم الزیاض شہاب خفاجی کی ہے، اسی فن کی دوسری کتابیں

شمائل النبی ابو العباس مستغفری المتوفی ۲۳۲ھ اور شمائل النور الساطع ابن
المقری غرناطی المتوفی ۲۵۲ھ اور سفر السعاده مجد الدین فیروز آبادی المتوفی
۸۱۷ھ کی ہیں۔

۷۔ اس سے الگ وہ کتا ہیں ہیں جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے
حالات میں ہیں جن میں ان شہروں کے عام حالات کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے مقامی حالات اور ان مقامات کے نام و نشان ہیں جن کو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق ہے اس قسم کی کتابوں میں سب سے قدیم
اخبار مکہ للآزرقی المتوفی ۲۲۳ھ اخبار مدینہ عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲ھ اخبار
مکہ فاکہی، اخبار مدینہ ابن زبالہ وغیرہ ہیں۔

حضرات! میں نے سیرت مبارکہ کے تاریخی سرمایہ کا جو نقشہ آپ کے
سامنے آج کے خطبہ میں پیش کیا ہے اس سے موافق و مخالف ہر ایک کو اندازہ
ہو سکتا ہے کہ سیرت محمدی کی تاریخی حیثیت کیا ہے، صرف اس زبانی حفظ اور
تحریری یادداشت ہی پر محدثین سلف اور خلفائے اسلام نے قناعت نہیں
کی، بلکہ اس فن کے بڑے بڑے اماموں کے لئے مغازی کی تعلیم کی غرض سے
درسگاہوں اور مسجدوں میں حلقے قائم کئے۔ حضرت قتادہ انصاری صحابی تھے۔
ان کے پوتے عاصم بن عمر جو مغازی کے امام تھے اور جنہوں نے ۲۱۱ھ میں
وفات پائی ہے، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے پایہ تخت دمشق کی جامع
مسجد میں بیٹھ کر اس کا درس دیتے تھے (تہذیب) غرض حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے عہد مبارک سے لے کر اس وقت تک ہر زمانہ میں، ہر ملک میں ہر زبان
میں، آپ کے واقعات، حالات اور ارشادات میں جو کتابیں لکھی گئیں ہیں ان
کا اندازہ کئی ہزار سے زیادہ ہوگا، اردو کا تحریری ذخیرہ سو دو سو برس سے زیادہ

کا نہیں، اس میں بھی ٹھوس تصنیف کا عہد ۱۸۵۷ء کے پس و پیش سے شروع ہوتا ہے، تاہم اس وقت تک کئی سوچھوٹی بڑی کتابیں اس موضوع پر اس میں لکھی جا چکی ہیں۔

مسلمانوں کو چھوڑو کہ ان کا تو دین و ایمان ہی اس سرکار کی عقیدت و غلامی ہے دشمنوں کے کیمپ میں آؤ۔ ہندوستان میں ہندوؤں نے سکھوں نے عیسائیوں نے، برہمن سماجیوں نے آپ کی سیرتیں لکھی، یورپ جس کو سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ کے ساتھ عقیدت نہیں، وہاں بھی مشنری کی خدمت کے لئے یا علمی ذوق یا تاریخ عالم کی تکمیل کے لئے ”لائف آف محمد“ پر کتابیں لکھی گئیں۔ آج سے غالباً ۱۷۱۶ برس پہلے دمشق کے ایک علمی رسالہ المقتبس میں شمار چھپا تھا کہ اس وقت تک یورپ کی مختلف زبانوں میں پیغمبر اسلام کے متعلق تیرہ سو کتابیں لکھی جا چکی ہیں اس کے بعد اس عہد کی اور کتابوں کو ملاؤ تو یہ شمار کہاں تک پہنچے گا، انگریزی زبان میں پروفیسر مارگیولیوٹھ D.S. Margoliouth جو اوکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر ہیں، کی کتاب محمدؐ سے جو ۱۹۰۵ء میں بیروٹ آف دی نیشنس کے سلسلے میں چھپی ہے زیادہ زہریلی کوئی کتاب سیرت نبویؐ پر انگریزی میں نہیں لکھی گئی۔ اس میں اس شخص نے ہر واقعہ کے متعلق انتہائی سند بہم پہنچا کر اس کو بگاڑ کر دکھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے تاہم اپنے مقدمہ میں اس حقیقت کے اعتراف سے باز نہ رہ سکا۔

”محمدؐ کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے، لیکن اس میں جگہ پانا قابلِ عزت ہے۔“

The biographers of the prophet Mohammad form a long series it is impossible

to end but in which would be honorable to find a place.

جان ڈیون پورٹ صاحب نے ۱۸۷۷ء میں انگریزی میں سب سے زیادہ ہمدردانہ کتاب ”اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن“ لکھی ہے۔ اس کتاب کو وہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں:

”اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقتنین اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے دفاع عمری محمد کے دفاع عمری سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں۔“

ریورنڈ باسورٹھ اسمتھ (Basworth Smith) فیلو آف ٹریٹی کالج اوکسفورڈ نے ۱۸۷۷ء میں ”محمد اینڈ محمد نزم“ کے نام سے رائل انسٹیٹیوشن آف گریٹ برٹین میں لکچر دیئے تھے اور جو کتاب کی صورت میں چھپے ہیں، اس میں ریورنڈ موصوف نے نہایت خوبی سے کہا ہے:

”جو کچھ عام طور پر مذہب کی (ابتدانا معلوم ہونے کی) نسبت صحیح ہے، وہی بدقسمتی سے ان نینوں مذہبوں اور ان کے بانیوں کی نسبت بھی صحیح ہے۔ جن کو ہم کسی بہتر نام موجود نہ ہونے کے سبب سے تاریخی کہتے ہیں، ہم مذہب کے اولین اور ابتدائی کارکنوں کی نسبت بہت کم، اور ان کی نسبت جنہوں نے ان کی محنتوں میں بعد کو اپنی محنتیں ملائیں، شاید زیادہ جانتے ہیں۔ ہم زرتشت اور کنفیوشس کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں۔ موسیٰ اور بودھ کے متعلق اس سے کم واقف ہیں جو ہم ایمبروس (Ambrase) اور سیزر

کے متعلق جانتے ہیں۔ ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے ہیں
 سے ٹکڑا جانتے ہیں، ان تیس برسوں کی حقیقت سے کون پردہ اٹھا
 سکتا ہے۔ جس نے تیس سال کے لئے راستہ تیار کیا، جو کچھ ہم
 جانتے ہیں اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زندہ کیا ہے اور شاید اور
 بہت زیادہ کرے، ایک ”آئیڈیل لائف“ جو بہت دور بھی ہے
 اور بہت قریب بھی، ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی، لیکن اس کا کتنا
 حصہ ہے جو ہم جانتے ہی نہیں، ہم مسیح کی ماں، مسیح کی خانگی زندگی
 ان کے ابتدائی احباب، ان کے ساتھ ان کے تعلقات، ان کے
 روحانی مشن کے اندر کی طلوع، یا ایک بیک ظہور کی نسبت ہم
 کیا جانتے ہیں؟ ان کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک
 کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے، لیکن
 اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دھندلا پن اور راز نہیں ہے
 ہم تاریخ رکھتے ہیں۔ ہم محمدؐ کے متعلق اس قدر جانتے ہیں جس قدر
 یسوعؑ اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں۔ میتھالوجی، فرضی افسانے
 اور مافوق الفطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین میں نہیں، یا اگر
 ہیں تو آسانی سے تاریخی واقعات سے الگ کئے جاسکتے ہیں۔ کوئی
 شخص یہاں نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو، یہاں
 پورے دن کی روشنی ہے، جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک
 پہنچ سکتی ہے“ (ص ۱۴-۱۵) (۱۸۸۹ء)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بیان میں مسلمانوں نے ہزاروں
 لاکھوں کتابیں لکھیں اور لکھ رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کتاب دوسرے

انبیاءؑ کی سیرتوں کے مقابلہ میں زیادہ صاف، زیادہ معتبر اور زیادہ تاریخی ہے، سیرت
 و اخبار نبویؐ کی ابتدائی کتابیں، ہر مصنف سے سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص نے
 سن کر اور پڑھ کر اور ان کا ہر ایک حرف سمجھ کر دوسروں تک پہنچائیں۔ حدیث کی پہلی
 کتاب موطاؒ کو اس کے مصنف امام مالکؒ سے ۶۰۰ آدمیوں نے سنا، جن میں
 سلاطین زمانہ علماء، فقہاء، حکماء، اوبار اور صوفیاء ہر طبقہ کے آدمی تھے۔ امام
 بخاریؒ کی تصنیف جامع صحیح کو صرف ان کے ایک شاگرد فربری سے ساٹھ
 ہزار آدمیوں نے سنا اس احتیاط، اس استناد اور اس اہتمام سے بناؤ کس
 شارح یا یابی دین کی سیرت و اخبار کا مجموعہ مرتب ہوا، اور یہ تاریخیت محمد
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کس کے حصہ میں آئی؟

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَسَلِّمْ۔

سیرت محمدیؐ کا تکمیلی پہلو

دوستو! آج کی گفتگو کا موضوع کائنات ہے، کوئی زندگی خواہ کسی قدر تاریخی ہو، جب تک وہ کامل نہ ہو، ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتی، کسی زندگی کا کامل اور ہر نقص سے بری ہونا، اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اس زندگی کے تمام اجزاء ہمارے سامنے نہ ہوں، پیغمبر اسلامؐ کی زندگی کا ہر لمحہ پیدائش سے لے کر وفات تک ان کے زمانہ کے لوگوں کے سامنے اور ان کی وفات کے بعد تاریخ عالم کے سامنے ہے، ان کی زندگی کا کوئی مختصر سے مختصر زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا جب وہ اپنے اہل وطن کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر آئندہ کی تیاری میں مصروف ہوں۔

پیدائش، شیر خوارگی، بچپن، ہوش و تمیز، جوانی، تجارت، آمدورفت، شادی احباب قبل نبوت، قریش کی لڑائی اور قریش کے معاہدے میں شرکت، امین بننا، خانہ کعبہ میں پتھر نصب کرنا، رفتہ رفتہ تنہائی پسندی، غار حرا کی گوشہ نشینی، وحی، اسلام کا ظہور، دعوت، تبلیغ، مخالفت، سفر طائف، معراج، ہجرت، غزوہ، حدیبیہ کی صلح، دعوت اسلام کے نامہ و پیام، اسلام کی اشاعت، تکمیل دین، حجتہ الوداع اور وفات، ان میں سے کونسا زمانہ ہے جو دنیا کی نگاہوں کے سامنے

- ۷- آنحضرت کے لباس کے بیان میں - ۲۸- آنحضرت کے میوہ کے بیان میں
- ۸- زندگی بسر کرنے ۲۹- کیا کیا پیتے تھے
- ۹- موزوں ۳۰- کیسے پیتے تھے
- ۱۰- پاپوش ۳۱- خوشبو لگانے
- ۱۱- خاتم (انگوٹھی) ۳۲- باتیں کرنے
- ۱۲- تلوار ۳۳- شعر پڑھنے
- ۱۳- زرہ ۳۴- رات کی باتیں کرنے
- ۱۴- خود ۳۵- اور قصے کہنے
- ۱۵- عمامہ ۳۶- سونے
- ۱۶- پانجامہ ۳۷- عبادت
- ۱۷- رفتار ۳۸- خندہ و تبسم
- ۱۸- منہ پر کپڑا ڈالنے ۳۹- مزاح
- ۱۹- نشست ۴۰- چاشت کی نماز
- ۲۰- تمکیہ و بستر ۴۱- گھر میں نفل پڑھنے
- ۲۱- تمکیہ لگانے ۴۲- روزہ رکھنے
- ۲۲- کھانے ۴۳- قرآن پڑھنے
- ۲۳- روٹی ۴۴- گریہ و بکا
- ۲۴- گوشت اور سالن ۴۵- بستر
- ۲۵- وضو کرنے ۴۶- تواضع
- ۲۶- کھانے پہلے اور پیچھے پڑھنے ۴۷- اخلاق کے
- ۲۷- پیالہ ۴۸- حجامت کے

- ۴۸۔ آنحضرت کے اسمائے گرامی کے بیان میں ۵۱۔ آنحضرت کے وفات کے بیان میں
 ۴۹۔ زندگی کی صورت حال ۵۲۔ میراث متروکہ ۵۰۔ سن و سال اور عمر

یہ آپ کے تمام ذاتی حالات ہیں، ان میں سے ہر ایک عنوان کے متعلق کہیں چند کہیں بکثرت واقعات ہیں اور ان میں سے ہر پہلو صاف اور روشن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی لمحہ پردہ میں نہ تھا، اندر آپ بیویوں اور بال بچوں کے مجمع میں ہوتے تھے، باہر محققوں اور دوستوں کی محفل میں۔

دوستوں! بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنے گھر میں معمولی آدمی ہوتا ہے، اسی لئے والیٹر کے مشہور فقرہ کے مطابق ”کوئی شخص اپنے گھر کا ہیرو نہیں ہو سکتا“ (No man is a hero to his valet) باسورۃ استھ کی رائے میں کم از کم یہ اصول پیغمبر اسلام کے متعلق صحیح نہیں ہے۔ گبن نے لکھا ہے کہ ”تمام پیغمبروں میں سے کسی نے اپنے پیروؤں کا اس قدر سخت امتحان نہیں لیا جتنا محمدؐ نے۔ انہوں نے دفعۃً اپنے کو سب سے پہلے ان لوگوں کے سامنے بحیثیت پیغمبر کے پیش کیا، جو ان کو بحیثیت انسان کے بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ اپنی بیوی، اپنے غلام، اپنے بھائی، اپنے سب سے واقف کار دوست کے سامنے، اور سب نے بلا پس و پیش آپ کے دعوے کی صداقت کو تسلیم کیا“ بیوی سے بڑھ کر انسان کی اندرونی کمزوریوں کا واقف کار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ مگر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کی صداقت پر سب سے پہلے آپ ہی کی بیوی ایمان لائی۔ وہ نبوت سے پہلے پندرہ برس تک آپ کی

رفاقت میں رہ چکی تھیں اور آپ کے ہر حال اور ہر کیفیت کی نسبت ذاتی واقفیت رکھتی تھیں، بائیں ہمہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے ان ہی نے اس دعوے کی سچائی کو تسلیم کیا۔

بڑے سے بڑا انسان جو ایک ہی بیوی کا شوہر ہو، وہ بھی یہ ہمت نہیں کر سکتا کہ وہ اس کو یہ اذن عام دیدے کہ تم میری ہر بات، ہر حالت اور ہر واقعہ کو بڑا مکہد و اور جو کچھ چھپا ہے وہ سب پر ظاہر کر دو۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیک وقت نو بیویاں تھیں، اور ان میں سے ہر ایک کو یہ اذن عام تھا کہ خلوت میں مجھ میں جو کچھ دیکھو وہ جلوت میں سب سے بڑا بیان کر دو، جو رات کی تاریکی میں دیکھو وہ دن کی روشنی میں ظاہر کر دو۔ جو بند کو ٹھپوں میں دیکھو اس کو کھلی چھتوں پر پکار کر کہہ دو۔ اس اخلاقی وثوق و اعتماد کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟

یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی احوال کے متعلق تھا۔ آپ کے اخلاقِ طاہرہ و اوصافِ عالیہ اور آدابِ فاضلہ کے بیان و تفصیل سے احادیث کی تمام کتابیں معمور ہیں، خصوصیت کے ساتھ قاضی عیاض اندلسی کی کتاب الشفا اس پہلو سے بہترین کتاب ہے۔ ایک یورپین مستشرق نے فرانس میں مجھ سے کہا تھا کہ پیغمبر اسلام کے اصلی محاسن سے واقف کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ قاضی عیاض کی شفا کا کسی یورپین زبان میں ترجمہ کر دیا جائے۔ سیرۃ نبویؐ کی دوسری جلد میں ہم نے شمائل کے تحت میں یہ ابواب قائم کیے ہیں۔

حلیۃ اقدس۔ مہربوت، موئے مبارک، رفتار، گفتگو، خندہ و تبسم، لباس، انگوٹھی، خود وزرہ، غذا اور طریقہ طعام، معمولاتِ طعام، خوش لباسی، مرغوب رنگ، نامرغوب رنگ، خوشبو کا استعمال، لطافت پسندی، سواری کا شوق۔

معمولات کے ماتحت حسب ذیل عنوانات ہیں:

صبح سے شام تک معمولات، خواب، عبادتِ شبانہ، معمولاتِ نماز، معمولاتِ خطبہ، معمولاتِ سفر، معمولاتِ جہاد، معمولاتِ عبادت و عزا، معمولاتِ ملاقات، عام معمولات۔

مجلسِ نبویؐ کے ماتحت عنوانات:

در بارِ نبوت، مجالسِ ارشاد، آدابِ مجلس، اوقاتِ مجلس، عورتوں کے لئے مخصوص مجالس، طریقہٴ ارشاد، مجالسِ شگفتگی، فیضِ صحبت، طرزِ بیان، خطبات کی نوعیت، خطباتِ نبویؐ کی تاثیر۔ عبادات کے ماتحت عنوانات:

دعا اور نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ، حج، ہمیشہ یادِ الہی، خدا کا ذوق، شوق، میدانِ جنگ میں یادِ الہی، خشیتِ الہی، گریہ و بکا، محبتِ الہی، خدا پر توکل، صبر و شکر۔

اخلاقِ نبویؐ کی تفصیلی جزئیات:

اخلاقِ نبویؐ کا جامع بیان، استقامتِ عمل، حُسنِ خلق، حُسنِ معاملہ، عدل و انصاف، جود و سخا، ایثار، مہمان نوازی، گد اُگری سے نفرت، صدقہ سے پرہیز، تحفہ قبول کرنا، کسی کا احسان نہ قبول کرنا، عدم تشدد، تفتیشِ ناپسند تھا، عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی، سادگی اور بے تکلفی، امارت پسندی اور دکھاوے سے پرہیز، مساوات، تواضع، بیجا تعظیم اور مدح کی ناپسندیدگی، شرمِ حیا، اپنے ہاتھ سے کام کرنا، عزم و استقلال، شجاعت، راست گفتاری، ایقانہ عہد، زہد و قناعت، عفو و حلم، دشمنوں سے عفو و درگزر اور حسن سلوک، کفار اور مشرکین کے ساتھ بڑاؤ، یہود و نصاریٰ کے ساتھ بڑاؤ، غریبوں کے ساتھ

محبت و شفقت، دشمنانِ جانی سے عفو و درگزر، دشمنوں کے حق میں دعائے خیر، بچوں پر شفقت، مستورات کے ساتھ برتاؤ، حیوانات پر رحم، رحمت و محبت عام، رقیق القلبی، عیادت و تعزیت، لطفِ طبع، اولاد سے محبت، ازواجِ المطہرات کے ساتھ سلوک۔

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں سب سے زیادہ آپ کے حالات کا استقصا کیا ہے، چنانچہ صرف ذاتی حالات کی فہرست سنئے:

آپ کا طریقہ رسل و رسائل، آپ کے کھانے پینے کا طریقہ، آپ کے نکاح اور ازدواجی تعلقات کا طریقہ، خواب و بیداری کا طریقہ، سواری کا طریقہ، لوندی اور غلام کو اپنی خدمت کے لئے قبول فرمانے کا طریقہ، آپ کے معاملات اور خرید و فروخت کا طریقہ، حوائجِ ضروری کے آداب، اصلاح اور خط بنوانے کا طریقہ، مونچھوں کے رکھنے اور ترشوانے میں آپ کا طریقہ، آپ کا طرزِ کلام، آپ کی خاموشی، آپ کا خندہ فرمانا، آپ کا رونا، آپ کا طریقہ مخاطبت، طریقہ وضو، مزدوں پر مسح کرنے کا طریقہ، طریقہ تیمم، آپ کے نماز ادا کرنے کا طریقہ، آپ کا دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا طریقہ، آپ کے سجدہ کرنے کا طریقہ، قعودِ اخیرہ میں آپ کی نشست کی کیفیت، آپ کے نماز میں بیٹھنے اور تشہد کے وقت انگلی اٹھانے کا طریقہ، آپ کا نماز میں سلام پھیرنے کا طریقہ، نماز میں آپ کا دُعا فرمانا، آپ کے سجدہ سہو کرنے کا طریقہ، آپ کا نماز میں سترہ کھڑا کرنے کا طریقہ، سفر و حضر مسجد اور گھر میں آپ کے سنن و نوافل پڑھنے کا طریقہ، تہجد یا فجر کی سنت کے بعد آپ کی استراحت کا طریقہ، آپ کا تہجد پڑھنے کا طریقہ، رات کی نماز اور وتر پڑھنے کا طریقہ، آپ کا وتر کے بعد بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ، آپ کے قرآن پڑھنے کی کیفیت، آپ کی چاشت کی نماز کا طریقہ، آپ

کے سجدہ شکر بجالانے کا طریقہ، آپ کے سجدہ قرآن ادا کرنے کا طریقہ، آپ کے جمعہ کے معمولات، آپ کے جمعہ کے دن کی عبادات کا طریقہ، آپ کے خطبہ دینے کا طریقہ، صلوٰۃ عیدین میں آپ کا طریقہ، سورج گرہن کے وقت آپ کے نماز پڑھنے کا طریقہ، استسقا میں آپ کا طریقہ، آپ کے سفر کا طریقہ، سفر میں آپ کے نفل پڑھنے کا طریقہ، آپ کے دو نمازوں کو اکٹھی پڑھنے کا طریقہ، آپ کے قرآن پڑھنے اور سننے کا طریقہ، بیماروں کی عیادت کا طریقہ، جنازوں کے متعلق آپ کا طریقہ، جنازوں کے ساتھ آپ کے تیز قدم اٹھانے کا طریقہ، آپ کا میت پر کپڑا ڈالنے کا طریقہ، کسی میت کے آنے پر اس کے متعلق آپ کے سوال کرنے کا طریقہ، جنازہ کی نماز میں آپ کا طریقہ، چھوٹے بچوں پر نماز جنازہ پڑھنے میں آپ کا معمول، خودکشی کرنے والے اور جہاد کے مال غنیمت میں خیانت کرنے والے پر آپ کا نماز نہ پڑھنا، جنازہ کے آگے آگے آپ کے چلنے وغیرہ کا طریقہ، جنازہ غائب پر آپ کے نماز پڑھنے کا طریقہ، جنازہ کے لئے آپ کے کھڑے ہونے کا طریقہ، تعزیت اور زیارت قبور میں آپ کا طریقہ، صلوٰۃ خوف میں آپ کا طریقہ، زکوٰۃ و صدقات میں آپ کا طریقہ، روزہ میں آپ کا طریقہ، آپ کا رمضان میں زیادہ عبادت کرنے کا طریقہ، چاند دیکھنے کے ساتھ ہی روزہ و افطار کے متعلق آپ کا طریقہ، چاند دیکھنے کی گواہی قبول کرنے میں آپ کا طریقہ، سفر میں روزہ کے افطار کے متعلق آپ کا طریقہ، عرفہ کے دن عرفہ کی وجہ سے افطار فرمانے اور جمعہ، شنبہ، یکشنبہ میں آپ کے روزہ رکھنے کا طریقہ، آپ کے پے درپے روزہ رکھنے کا طریقہ، آپ کے نفل روزہ رکھنے اور اس کے ٹوٹ جانے پر ادا کرنے کو واجب نہ سمجھنے کا طریقہ، روز جمعہ کو روزہ کے لئے مخصوص کر لینے پر آپ کا کراہت فرمانا، آپ کے اعتکاف

طریقہ، حج و عمرہ میں آپ کا طریقہ، آپ کا ایک سال میں دو عمرہ ادا کرنے کا طریقہ، آپ کے حجوں کی کیفیت۔ آپ کا حج میں اپنے دست مبارک سے قربانی کرنے کا طریقہ، آپ کا حج میں سر منڈانے کا طریقہ، عقیقہ میں آپ کا طریقہ، نومولود بچہ کے کان میں آپ کے اذان دینے اور اس کا نام رکھنے اور اس کا ختنہ کرنے میں آپ کے عادات ناموں اور کینتوں کے رکھنے میں آپ کا طریقہ بولنے میں احتیاط اور الفاظ کے انتخاب میں آپ کا طریقہ، گھر میں داخلہ کے وقت آپ کا طریقہ، بیت الخلا رجائے اور وہاں سے واپس آنے کا طریقہ، آپ کے کپڑا پہننے کا طریقہ، وضو کی دعا کے متعلق آپ کا طریقہ، اذان کے وقت الفاظ اذان کے دہرانے کے متعلق آپ کا طریقہ، رویت ہلال کے وقت آپ کے دعا فرمانے کا طریقہ، کھانے کے پہلے اور اس کے بعد آپ کے دعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ، آداب طعام میں آپ کا طریقہ، آداب سلام میں آپ کا طریقہ، آپ کا دوسروں کے گھر اجازت مانگ کر داخل ہونے کا طریقہ، آداب سفر میں آپ کے طریقے اور سفر میں دعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ، نکاح کی دعاؤں کے متعلق آپ کا طریقہ، بعض الفاظ کے استعمال کو مکروہ سمجھنے میں آپ کی عادت، غزوات اور جہاد میں آپ کا طریقہ، قیدیوں کے متعلق آپ کا معمول، قیدی جاسوس اور غلام کے متعلق آپ کا معمول، صلح کرنے امان دینے جزئیہ مقرر کرنے اور اہل کتاب و منافقین کے ساتھ معاملات کرنے میں آپ کا طریقہ، کفار و منافقین کے ساتھ علی الترتیب آپ کے برتاؤ کرنے کا طریقہ، آپ کا امراض بدن کے علاج کرنے کا طریقہ۔

میں نے آپ کے سامنے جزئی جزئی باتوں کی اجمالی فہرست پیش کی ہے۔ اس سے آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو محفوظ رکھا

گیسا ہے تو بڑی بڑی اہم باتوں کی کیا کچھ تفصیل موجود نہ ہوگی، غرض ایک انسان کی زندگی کے جس قدر پہلو ہو سکتے ہیں، وہ سب محفوظ اور مذکور ہیں۔
 حضرات! اب آپ نے سمجھا ہو گا کہ ”کاملت“ سے میرا کیا مقصود تھا؟
 اور میرے اس دعوے کی (اس معیار پر سیرۃ محمدیؐ کے سوا انبیاء میں کسی کی سیرت محفوظ نہیں)، صداقت آشکار ہو گئی ہوگی۔

وقت کم ہے اور مضمون ابھی بہت باقی ہے، تاہم یہ مختصر اُسُن لیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواہ خلوت میں ہوں یا جلوت میں، مسجد میں ہوں یا میدان جہاد میں، نماز شبانہ میں مصروف ہوں یا فوجوں کی درستی میں، منبر پر ہوں یا گوشہ تنہائی میں، ہر وقت اور ہر شخص کو حکم تھا کہ جو کچھ میری حالت اور کیفیت ہو وہ سب منظر عام پر لائی جائے۔ ازواج مطہرات آپ کے خلوت خانوں کے حالات سنانے اور بتانے میں مصروف رہیں، مسجد نبوی میں ایک چوڑا ان عقیدت مندوں کے لئے تھا، جن کے رہنے کو گھر نہ تھے، وہ باری باری سے دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اس سے روزی حاصل کرتے اور سارا وقت آپ کے ملفوظات سُننے۔ آپ کے حالات دیکھنے اور آپ کی معیت میں گزارنے کے لئے صرف کرتے تھے، ان کی تعداد شتر کے قریب تھی، ان ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ ہیں، جن سے زیادہ کسی صحابی کی روایات نہیں۔ یہ ستر ہستیا معتقد جاسوسوں کی طرح شب روز ذوق و شوق کے ساتھ آپ کے حالات دیکھنے اور دوسروں سے ان کو بیان کرنے میں مصروف رہتی تھیں۔ دن میں پانچ وقت مدینہ میں رہنے والی تمام آبادی دس برس تک مستقل آپ کی ایک ایک حرکت و سکون ایک ایک جنبش کو دیکھتی رہی، غزوات اور لڑائیوں کے موقع پر ہزار ہا صحابہؓ کو شب و روز آپ کے دیکھنے اور آپ کے حالات مبارکہ سے واقف

ہونے کا موقع ملتا تھا۔ غزوہ فتح میں دس ہزار، تبوک میں تیس ہزار اور حجة الوداع میں تقریباً ایک لاکھ صحابہ کو آپ کی زیارت کے موقعے ملتے رہے اور غلوت و جلوت، گھر اور باہر، صفہ اور مسجد، حلقہ تعلیم اور میدان جنگ تک میں جس نے جس حال میں دیکھا اس کی عام اشاعت کی، نہ صرف اس کو اجازت بلکہ حکم اور ناکید تھی، اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا کونسا پہلو ہوگا جو زیر پردہ ہوگا اور اس پر بھی ایک شخص تک آپ پر پردہ گیری نہ کر سکا۔ آج بھی آپ کے دشمن اور مخالف پوری چھان بین اور تلاش و جستجو کے بعد مسئلہ جہاد اور تعداد ازواج کے سوا آپ پر کوئی حرف گیری نہ کر سکے، نواب ایسی زندگی کو معصوم اور بے گناہ کہنا زیبا ہے یا ان زندگیوں کو جن کا بڑا حصہ ہماری نگاہوں سے اوجھل اور پوشیدہ ہے۔

ایک حیثیت سے اور غور فرمائیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صرف اپنے مسخروں ہی کے حلقہ میں نہیں رہے بلکہ مکہ میں قریش کے مجمع میں رہے، نبوت سے پہلے ۴۰ برس آپ کی زندگی ان ہی کے ساتھ گزری، اور پھر ناجرانہ زندگی، بین دین کی زندگی معاملہ اور کاروبار کی زندگی، جس میں قدم قدم پر بد معاملگی، بدینتی، خلاف وعدگی اور خیانت کاری کے عمیق غار آتے ہیں، مگر آپ اس طرح بے خطر اس راستے سے گزر گئے کہ آپ کو ان سے امین کا خطاب حاصل ہوا۔ نبوت کے بعد بھی لوگوں کو آپ پر یہ اعتماد تھا کہ اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھوانے تھے۔ چنانچہ ہجرت کے موقع پر حضرت علیؓ کو اسی لئے مکہ میں بھجوڑا تاکہ آپ کے بعد وہ لوگوں کی امانتیں واپس کر سکیں، آپ کے دعوے نبوت پر تمام قریش نے برہی ظاہر کی، مقاطعہ کیا، دشمنیاں ظاہر کیں، گالیاں دیں، راستے روکے، نجاستیں ڈالیں، پتھر پھینکے، قتل کی سازشیں کیں۔ آپ کو

ساحر کہا، شاعر کہا، مجنون کہا، مگر کسی نے یہ جرأت نہ کی کہ آپ کے اخلاق اور اعمال کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکال سکتے حالانکہ نبوت اور پیغمبری کے دعویٰ ہی کے یہ معنی ہیں کہ مدعی اپنی بے گناہی اور معصومیت کا دعویٰ کر رہا ہے اس دعوے کے ابطال کے لئے آپ کے اخلاق و اعمال کے متعلق چند مخالفانہ شہادتیں بھی کافی تھیں، تاہم اس دعوے کے توڑنے کے لئے اپنی دولت لٹائی، اپنی اولاد کو قربان کیا، اپنی جانیں دیں، لیکن یہ ممکن نہ ہوا کہ وہ آپ کی ذات پر معمولی خردہ گیری کر کے بھی اس کو باطل کر سکیں۔ کیا اس سے نہیں ثابت ہوتا کہ جو آپ دوستوں کی نظر میں تھے وہی دشمنوں کی نگاہ میں تھے اور کوئی چیز زیر پردہ اور نامعلوم نہ تھی۔

ایک روز قریش کے بڑے بڑے رئیس جلسہ جمائے بیٹھے تھے اور آپ کا ذکر ہو رہا تھا۔ نصر بن حارث نے جو قریش میں سب سے زیادہ جہانگیر تھا، کہا ”لے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے تم اس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے، محمد تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا، وہ تم سے سب سے زیادہ پسندیدہ، سچا اور امانتدار تھا اور اب جب اس کے بالوں میں سفیدی آچلی اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے، مجنون ہے، خدا کی قسم میں نے اس کی باتیں سنی ہیں، محمد میں یہ کوئی بات نہیں۔“ (ابن ہشام)

آپ کا سب سے بڑا دشمن ابو جہل کہا کرتا تھا ”محمد! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا، البتہ تم جو کچھ کہتے اور سمجھاتے ہو، اس کو صحیح نہیں سمجھتا۔“ چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی ہے۔ (نرمذی، تفسیر انعام)

قَدْ عَلِمَ اِنَّهٗ لَيَحْزُنْكَ الَّذِیْ
ہم جانتے ہیں کہ ان (کافروں) کی

يَقُولُونَ فَاتَّهَمُوا لَآيِكِدُّ بَوْنَكَ
وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ
بائیں تم کو (اے پیغمبر) غلبین کرتی ہیں
تو یہ لوگ تم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ
ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔
(العام - ۴)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش گاہ الہی سے حکم ہوا کہ اپنے خاندان کے
لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ تو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا ”یا معشر قریش!“
جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا ”اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے
ایک لشکر آرہا ہے، تو تم کو یقین آئے گا؟“ سب نے کہا ”ہاں! کیونکہ ہم نے
تم کو کبھی بھوٹ بولتے نہیں دیکھا“ (بخاری شریف، سورۃ تبت)

قیصر روم کے دربار میں قاصد نبوی پہنچا ہے۔ کفار قریش میں آنحضرتؐ کے
سب سے بڑے حریف اور مقابل ابوسفیان جو چھ برس منور اتر آپ کے مقابلے
میں فوجوں کے پرے جھاتے رہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے
حال اور تعقیب کیلئے بلائے جاتے ہیں۔ موقع کی نزاکت پر غور کرو، ایک دشمن کی
شہادت اپنے ایک ایسے دشمن کے حق میں ہے جس کو وہ دل سے مٹا دینا
چاہتا ہے، ایک ایسے باسروسامان بادشاہ کے دربار میں اس کی شہادت
ہے کہ اگر اس کو راضی کر لیا جائے تو دم کے دم میں اس کی فوجیں مدینہ کی
بڑھ سکتی ہیں، تاہم اس سوال و جواب کو سنئے۔

قیصر: مدعی نبوت کا خاندان کیسا ابوسفیان: شریف ہے۔

ہے؟

اس خاندان میں کسی اور نے نہیں

بھی نبوت کا دعویٰ کیا؟

اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں

گزارا ہے ؟

قیصر: جن لوگوں نے اس کے مذہب کو قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں،
یا صاحب اثر؟

اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں، بڑھتے جاتے ہیں۔

یا گھٹتے جاتے ہیں؟

کبھی تم لوگوں کو اس کی

نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟

وہ کبھی اپنے عہد و قرار سے

بھی پھرا ہے؟

دیکھیں۔

وہ کیا سکھاتا ہے؟

کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت

کرو، نماز پڑھو، پاک و امنی اختیار

کرو، سچ بولو، اہل قربت کا

حق ادا کرو۔

ایک نکتہ کی طرف آپ کی توجہ کو اور ملتفت کرنا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو لوگ ابتداءً ایمان لائے وہ دریا کنارے کے ماہی گیر نہ تھے وہ مہتر کی محکوم اور غلام قوم کے افراد نہ تھے، بلکہ ایک ایسی آزاد قوم کے افراد تھے جو اپنی عقل و دانش کے لحاظ سے ممتاز تھے اور جس نے ابتداءً آفرینش سے آج تک کبھی کسی کی اطاعت نہیں کی تھی، وہ لوگ تھے جن کے تجارتی کاروبار ایران، شام، مصر، اور ایشائے کوچک تک پھیلے تھے، ان میں وہ لوگ تھے جن کی دقیقہ بینی، نکتہ رسی اور عقل و ذہانت کے ثبوت مسائل اور احکام کی صورت

میں آج بھی موجود ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے بڑی بڑی فوجوں کا فاتحانہ مقابلہ کیا اور دنیا کے مشہور سپہ سالاروں میں داخل ہیں، ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے ملکوں پر فرمانروائیاں کیں اور حکومت کے نظم و نسق کی بہترین قابلیت کا اظہار کیا۔ کیا ایک ٹھہر کے لئے بھی کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ایسے پرزور، قوی بازو اور دانیانِ روزگار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حال چھپا رہ سکتا تھا اور وہ دھوکا کھا سکتے تھے، بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کی ایک ایک جنبش کی نقل کی ہے اور جو آپ کے ایک ایک نقش قدم پر چلنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ یہ آپ کی قابلیت کی ناقابلِ تردید دلیل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے واقعات پر کبھی کوئی پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی، آپ جس طرح تھے اسی طرح سب کو معلوم تھے اور اسی طرح اب تک ہیں حضرت عائشہؓ آپ کی زوجہ محترمہ جو نو برس آپ کیساتھ رہیں، فرماتی ہیں، جو تم سے یہ بیان کرے کہ محمدؐ نے خدا کے احکام میں سے کچھ چھپا لیا اور مخلوق پر ظاہر نہیں کیا، تو اس کو سچ نہ جانو کہ خدا فرماتا ہے :

(صحیح بخاری تفسیر آیت ذیل)

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ
إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَ إِنْ لَمْ تَفْعَلْ
فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ (مائدہ ۱۰)

اے پیغمبر! خدا کی طرف سے تجھ پر جو
کچھ انرا وہ لوگوں تک پہنچا دے۔ اگر
تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اُسی پیغمبری
کا حق ادا نہ کیا۔

دنیا میں کوئی شخص نہیں چاہتا کہ اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ کمزوری کا بھی بے خطر
بر ملا اعلان کر دے، خصوصاً وہ جو ایک جماعت کی رہبری و رہنمائی اور وہ بھی
روحانی و اخلاقی کر رہی ہو۔ لیکن قرآن مجید میں متعدد آیتیں ایسی ہیں جن میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ظاہری لغزشوں پر تنبیہ کی گئی ہے۔ تاہم ان میں سے ہر آیت آپ نے پڑھ کر سنائی۔ لوگوں نے یاد کی، ہر محراب و مسجد میں پڑھی گئی اور اب تک جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے، وہ آیتیں ان کے ملنے والوں کی زبانوں پر ہیں حالانکہ اگر ان معمولی فرد گزشتوں کا قرآن پاک میں ذکر نہ ہوتا تو آج دنیا کو ان کا علم بھی نہ ہوتا، مگر ایک پاک زندگی کی ہر چیز روشن ہونی تھی اور وہ کی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جہلائے عرب کے نزدیک قابل اعتراض تھا، اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں تبصریح مذکور ہے حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی کسی وحی کو چھپا سکتے تو اس آیت کو ضرور چھپا دیتے (جس میں اس نکاح کا تذکرہ ہے) (مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۲۳۳) تاکہ جاہلوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی پہلو تاریک نہیں رہا ہے

باسورۃ اسمتھ صاحب کی یہ شہادت پیش کرنے کے لائق ہے:

”یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے، شخصیت کی تاریک گہرائیاں درحقیقت ہیں اور ہماری پہنچ کے خط سے باہر وہ ہمیشہ رہیں گی۔ لیکن ہم محمد کی بیرونی تاریخ کی ہر چیز جانتے ہیں۔ اُن کی جوانی اُن کا ظہور، ان کے تعلقات، اُن کی عادات، ان کا پہلا تخیل اور تدریجی ترقی، ان کی عظیم الشان وحی کا نوبت بہ نوبت آنا، اور

ان کی اندونی تاریخ کے لئے اس کے بعد کہ ان کے مشن کا اعلان کیا جا چکا، ہم ایک کتاب (قرآن) رکھتے ہیں، جو اپنی اصلیت میں، اپنے محفوظ رہنے میں، اپنے مضامین کی بے ترتیبی میں بالکل یکتا ہے، لیکن اس کی جوہری صداقت میں کوئی شخص کبھی سنجیدہ شک نہ کر سکا، اگر کوئی کتاب ہم ایسی رکھتے ہیں جو اپنے زمانہ کے ماسٹر اسپرٹ کا آئینہ ہو، تو یہ کتاب ہے، عموماً قسطنطنیہ اور بناؤ سے پاک، غیر مرتب، متضاد، تھکا دینے والی لیکن چند عظیم الشان خیالات سے معمور، ایک دماغ جو اس روحانیت سے لبریز جو اس کے اندر بند ہے، خدا کے نشہ میں مست و سرشار، لیکن انسانی کمزوریوں کے ساتھ، جن سے پاک ہونے کا کبھی انہوں نے دعویٰ نہیں کیا، اور یہ محمدؐ کی آخری عظمت ہے کہ انہوں نے ان سے پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔“ (ص ۱۵)

”گبن کے الفاظ ہیں، کسی ابتدائی پیغمبر نے کبھی صداقت کا کوئی ایسا سخت امتحان پاس نہیں کیا، جیسا کہ محمدؐ نے جب کہ اس نے پہلے پہل اپنے کو بحیثیت پیغمبر کے ان لوگوں کے سامنے پیش کیا جو اس کی کمزوریوں سے بحیثیت ایک انسان ہونے کے واقف تھے، وہ لوگ جو اس سے سب سے زیادہ واقف تھے ان کی بیوی، ان کا ذاتی غلام، ان کا چچا زاد بھائی، ان کا سب سے پُرانا دوست جس نے جیسا کہ محمدؐ نے خود کہا ہے کہ اس کے پیروؤں میں وہی ایک ہے جس نے نہ پشت پھیری اور نہ گھبرایا، یہی لوگ اس کے سب سے پہلے معتقد ہوئے، پیغمبروں کی عام قسمت

محمدؐ کے حق میں بالکل الٹ گئی۔ وہ غیر معزز نہ تھا، لیکن ان کے نزدیک جو اس سے واقف نہ تھے“ (۱۰۸-۱۰۹ سمٹھ)

ان شہادتوں کا یہ مطلب ہے کہ جو جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے واقف تھا، اس قدر زیادہ اُن کا عقیدت مند تھا، عام پیغمبروں کا یہ اصول رہا ہے، پہلے ان کو نادانقوں نے مانا ہے، تب جا کر گھروالوں کی باری آئی ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سانحہ حیات اس سے بالکل مختلف ہے، آپ کو سب سے پہلے انہوں نے مانا جو آپ کے اخلاق، عادات اور حالات سے زیادہ واقف تھے اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے ایمان و اعتقاد کا شدید اور خطرناک امتحان دیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ تین برس تک آپ کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور رہیں جس میں بھوک اور فقر وفاقہ سے دوچار ہونا پڑا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس وقت جب ہر چہا طرف دشمن تعاقب میں تھے، رات کی تاریکی میں آپ کے ساتھ خطرناک رفاقت کا حق ادا کیا۔ حضرت علیؓ نے اس بستر پر قدم رکھا جو صبح کو مقتل بننے والا تھا حضرت زیدؓ غلام خاص وہ تھے جنہوں نے پتہ ملنے پر اپنے باپ کے اصرار پر بھی اپنے روحانی باپ سے مفارقت گوارا نہ کی۔

گاڈ فری ہنگنس اپالوجی فار محمدؐ میں کہتا ہے :

”عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نے وہ نشہ آپ کے پیروؤں میں پیدا کر دیا تھا، جس کو عیسیٰؑ کے بلند پایہ پیروؤں میں تلاش کرنا بے سود ہے جب عیسیٰؑ کو سو لی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے۔ اُن کا نشہ دینی جانا رہا اور اپنے مقتدا کو موت کے نہیم میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے۔ برعکس اسکے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ کے

بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کئے دیا۔

(ترجمہ اردو ص ۶۶، ۶۷ مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء)

اُحد کے مشہور معرکہ میں جب قریش کے تیغ زنوں نے آپ پر یورش کی اور مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہوئیں تو آپ نے آواز دی کہ ”کون مجھ پر جان دیتا ہے؟“ اس آواز کو سن کر دفعۃً سات انصاری نکل آئے اور ایک ایک نے جان بازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں، ایک انصاری خاتون کے باپ بھائی، اور شوہر تین پیاری جانیں اس معرکہ میں تصدق ہوئیں، باری باری تین سخت حادثوں کی صدائیں اس کے کانوں میں پڑتی ہیں اور وہ ہر بار صرف یہ پوچھتی جاتی ہے کہ وہ جانِ عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا: بخیر ہیں۔ اس نے پاس آ کر چہرہ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی کل مصیبة بعدك جل یا رسول اللہ تیرے ہوتے سب مصیبتیں ہیج ہیں۔

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا

اے شہرہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہین ہم

دوستو! یہ محبت، یہ عشق، یہ جان نثاری ان میں تھی جو آپ کو ہر طرح اور ہر حیثیت سے جانتے تھے، کیا ایسے شخص کے ساتھ جس کی زندگی اس کے ساتھیوں اور رفیقوں کی نگاہ میں کامل نہ ہو، اس لائق ہو سکتی ہے کہ اس پر وہ جانیں قربان کریں، اس سے زیادہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنے پیغمبر کی زندگی کو ان کے لئے نمونہ بتایا اور اس کی پیروی کو خدا کی محبت کا ذریعہ بتایا۔

اے لوگو! اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو میری اتباع کرو، تو خدا

تم کو پیار کرے گا۔

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
يُحِبِّبْكُمْ اللَّهُ (آل عمران ۴۰)

آپ کی اتباع کو یعنی آپ کی زندگی کی نقل و عکس کو خدا کی محبت کا معیار بتایا ایک لمحہ کے لئے نشہ دینی سے سرمست ہو کر اپنی جان دینا آسان ہے مگر پوری عمر ہر چیز میں، ہر حالت میں، ہر کیفیت میں آپ کی اتباع کے پُر صراط کو اس طرح طے کرنا کہ کسی بات میں سنت محمدی سے قدم ادھر اُدھر نہ ہو، سب سے مشکل امتحان ہے۔ اس اتباع کے امتحان میں تمام صحابہ پورے اترے اور اسی جذبہ نے صحابہؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ، محدثینؓ، مورخینؓ اور ارباب سیر کا یہ اہم فرض قرار دیا ہے کہ وہ آپ کی ایک ایک بات، ایک ایک چیز، ایک ایک جنبش کو معلوم کریں، پچھلیوں کو بتائیں تاکہ اپنے اپنے امکان بھر ہر مسلمان اس پر چلنے کی کوشش کرے۔ اس نکتہ سے ظاہر ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس کے جاننے والوں کی نگاہ میں پوری کامل تھی، تب ہی تو اس کی نقل کو انہوں نے کمال کا معیار یقین کیا۔

اسلام کی نگاہ میں آپ کی حیات ایک مسلمان کے لئے کامل نمونہ ہے، اس لئے اس نمونہ کے تمام پہلو سب کے سامنے ہونے چاہئیں، اور وہ سب کے سامنے ہیں۔ اسی سے ثابت ہو گا کہ آپ کی زندگی کے سلسلے کی کوئی کڑی گم نہیں ہے، کوئی واقعہ زیر پردہ نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ تاریخ کے صفحات میں آئینہ ہے اور یہی ایک ذریعہ کسی زندگی کے کامل، معصوم اور بے گناہ یقین کرنے کا ہے نیز ایسی ہی زندگی جس کے ہر پہلو اس طرح روشن ہوں، انسان کے لئے نمونہ کا کام دے سکتی ہے۔

دنیا میں بابل، واسیریا، ہندوستان و چین، مصر و شام، یونان و روم میں بڑے بڑے تمدن پیدا ہوئے، اخلاق کے بڑے بڑے نظریے قائم کئے گئے۔ تہذیب و شائستگی کے بڑے بڑے اصول بنائے گئے، اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے،

ملنے جلنے، پہننے اور دھنے، رہنے پہننے، سونے جانے، شادی بیاہ، مرنے جینے، غم
 مسرت، دعوت و ملاقات، مصافحہ و سلام، غسل و طہارت، عیادت و تعزیت،
 تبریک و تہنیت، دفن و کفن کے بہت سے رسوم آداب، شرائط اور ہدایات
 مرتب ہوئے اور ان سے ان قوموں کی تہذیب، تمدن اور معاشرت کے اصول
 بنائے گئے۔ یہ اصول صد ہا سال میں بنے، پھر بھی بگڑ گئے۔ صدیوں میں ان کی
 تعمیر ہوئی تاہم وہ فنا ہو گئے، لیکن اسلام کا یہ تمدن چند برسوں میں بنا اور تعمیر ہوا
 اور ۱۱ سو برس سے کل روئے زمین کی سیکڑوں مختلف اقوام میں یکسانی کے ساتھ قائم ہے
 کیونکہ اس کا ماخذ ایک ہے اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے اس
 زندگی کے آئینہ میں صحابہؓ نے اپنی زندگیاں سجائیں اور ان کا عکس تابعین نے
 اتارا، اور اس طرح وہ تمام دنیائے اسلام کا عمل اور رسم بن گئی، وہ مقدس زندگی
 مرکزی نقطہ تھی صحابہؓ نے اس کو خط اور بعد کی نسلوں نے اس کو دائرہ بنا دیا۔ وہ
 تمدن آج گو کامل نہیں مگر اس کے نقش قدم اب بھی ہیں اور اسی پر کل مسلمان چل
 رہے ہیں، ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تھی جو تمام صحابہؓ کی زندگی
 بن گئی اور وہی کبھی دنیائے اسلام کی زندگی بن گئی اور وہ کامل تصویر آج بھی ہم
 میں موجود ہے۔ افریقہ یا ہندوستان کا کوئی قبیلہ جب آج عیسائی ہوتا ہے تو
 اس کو مذہب گوانجیل سے لیکن تمدن و تہذیب اور علی زندگی کا سبق یورپ کے
 ساختہ تمدن کا سکھایا جاتا ہے لیکن وحشی سے وحشی قبیلہ جو مسلمان ہوتا ہے اس
 کو جہاں سے مذہب ملتا ہے وہیں سے تمدن و تہذیب اور شائستگی کا سبق بھی
 ملتا ہے۔ مسلمان ہونے کے ساتھ پیغمبر اسلام کی پوری زندگی، انسانی ضروریات
 اور حالات کے ساتھ اس کے سامنے آجاتی ہے اور یہ بولتی چلتی
 جیتی جاگتی تصویر ہر مسلمان کی زندگی کی حالت اور ہر کیفیت کا آئینہ بن جاتی ہے۔

ایک یہودی نے ایک صحابیؓ سے طنزاً کہا تھا کہ ”تمہارا پیغمبر تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے اور معمولی معمولی باتیں بھی سکھاتا ہے۔“ انہوں نے فخراً کہا کہ ”ہاں ہمارا پیغمبر ہم کو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے یہاں تک کہ اس نے استنجا اور آبدست کی بھی تعلیم دی ہے، اور آج بھی ہم اس کامل تعلیم کی سیرت کو فخر کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ گویا سیرت محمدیؐ دنیا کا آئینہ خانہ ہے، جس میں دیکھ کر ہر شخص اپنے جسم روح، ظاہر و باطن، قول و عمل، زبان و دل، آداب و رسوم، طور و طریق کی اصلاح اور درستی کر سکتا ہے اور اسی لئے کوئی مسلمان قوم اپنی شائستگی اور ادب و اخلاق کے لئے اپنے مذہب سے باہر، اور اپنے رسول کی سیرت سے الگ کوئی چیز نہیں مانگتی اور نہ اس کی اس کو ضرورت ہے۔ سیرت محمدیؐ دنیائے اسلامی کا عالمگیر آئینہ ہے، اسی کے مقابلہ سے حسن و قبح اور نیکی و بدی کا راز اس پر کھلتا ہے اور چونکہ کوئی انسانی کامل زندگی اس استیعاب اور استقصاء کے ساتھ دنیا کے سامنے موجود نہیں، اس لئے تمام انسانوں کے لئے یہی ایک کامل نمونہ ہے اور اسی ہی کامل اور بے پردہ زندگی انسانوں کے لئے قابل نمونہ ہو سکتی ہے۔“

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم۔

سیرت محمدیؐ کی جامعیت

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ط

حضرات! خدا کی محبت کا اہل اور اس کے پیار کا مستحق بننے کے لئے ہر مذہب نے ایک ہی تدبیر بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مذہب کے شائع اور طریقہ کے بانی نے جو عمدہ نصیحتیں کی ہیں، ان پر عمل کیا جائے۔ لیکن اسلام نے اس سے بہتر تدبیر اختیار کی ہے۔ اس نے اپنے پیغمبر کا عملی مجسمہ سب کے سامنے رکھ دیا ہے اور اس عملی مجسمہ کی پیروی اور اتباع کو خدا کی محبت کے اہل اور اس کے پیار کے مستحق بننے کا ذریعہ بنایا ہے۔ چنانچہ اسلام میں دو چیزیں ہیں، کتاب اور سنت، کتاب سے مقصود خدا کے احکام ہیں جو قرآن مجید کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے ہیں، اور سنت جس کے لغوی معنی راستہ کے ہیں، وہ راستہ جس پر پیغمبر اسلامؐ خدا کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گزرے یعنی آپؐ کا عملی نمونہ، جس کی تصویر احادیث میں بصورت الفاظ ہے۔ الغرض ایک مسلمان کی کامیابی اور تکمیل روحانی کے لئے جو چیز ہے وہ ”سنت نبویؐ“ ہے۔“

وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب کے حلقہ اطاعت میں داخل ہوں، ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی صنف انسانی سے متعلق ہوں، اس دنیا کی بنیاد ہی اختلاف

عمل پر ہے۔ باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں ہی کے ذریعہ سے یہ دنیا چل رہی ہے۔ اس میں بادشاہ یا رئیس جمہوریہ اور حکام بھی ضروری ہیں، اور محکوم، مطیع اور فرماں بردار رعایا بھی، امن و امان کے قیام کے لئے قاضیوں اور ججوں کا ہونا بھی ضرور ہے اور فوجوں کے سپہ سالاروں اور افسروں کا بھی غریب بھی ہیں اور دولتمند بھی، رات کے عابد و زاہد بھی ہیں اور دن کے سپاہی اور مجاہد بھی، اہل و عیال بھی ہیں اور دوست و احباب بھی، تاجر اور سوداگر بھی ہیں اور امارا اور پیشوا بھی۔ غرض اس دنیا کا نظم و نسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر موقوف ہے اور ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے لئے عملی مجسمہ و نمونہ کی ضرورت ہے۔ اسلام ان تمام انسانوں کو سنت نبویؐ کی اتباع کی دعوت دیتا ہے، اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقات انسانی کے لئے اپنے پیغمبرؐ کی عملی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے، اسلام کے صرف اسی نظریہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پیغمبرؐ اسلامؐ کی سیرت میں جامعیت ہے یعنی انسانوں کے ہر طبقہ اور صنف کے لئے، اس کی سیرت پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کے لئے درس اور سبق موجود ہیں، ایک حاکم کے لئے محکوم کی زندگی، ایک محکوم کے لئے حاکم کی زندگی، ایک دولتمند کے لئے غریب کی زندگی اور ایک غریب کے لئے دولتمند کی زندگی، کامل مثال اور نمونہ نہیں بن سکتی، اسی لئے ضرورت ہے کہ عالمگیر اور دائمی پیغمبرؐ کی زندگی ان تمام مختلف مناظر کے رنگ و رنگ بھولوں کا گلدستہ ہو۔

اصناف انسانی کے بعد دوسری جامعیت خود ہر انسان کے مختلف لمحوں کے مختلف افعال کی ہے، ہم چلتے پھرتے بھی ہیں، اٹھتے بیٹھتے بھی، کھاتے پیتے بھی ہیں، سوتے جاگتے بھی، ہنستے بھی ہیں، روتے بھی، پہنتے بھی ہیں، اُتارتے

بھی، نہاتے بھی ہیں، دھوتے بھی، لیتے بھی ہیں، دیتے بھی، سیکھتے بھی ہیں کھاتے بھی، مرتے بھی ہیں مارتے بھی، کھاتے بھی ہیں اور کھلاتے بھی، احسان لیتے بھی ہیں اور کرتے بھی، جان دیتے بھی ہیں اور بچاتے بھی، عبادت و دُعا بھی کرتے ہیں اور کاروبار بھی، مہمان بھی بننے ہیں اور میزبان بھی، ہم کو ان تمام امور کے متعلق جو ہمارے مختلف افعال جسمانی سے تعلق رکھتے ہیں، عملی نمونوں کی ضرورت ہے جو ہم کو ہر نئی حالت کے پیش آنے میں ایک نئی ہدایت کا سبق اور نئی رہنمائی کا درس دیں۔

ان افعال کے بعد جن کا تعلق اعضاء سے ہے، وہ افعال ہیں جن کا تعلق دل و دماغ سے ہے اور جن کی تعبیر ہم اعمالِ قلب یا جذبات اور احساسات سے کرتے ہیں۔ ہر آن ہم ایک نئے قلبی عمل یا جذبہ یا احساس سے متاثر ہوتے ہیں، ہم کبھی راضی ہیں، کبھی ناراض، کبھی خوش ہیں کبھی غمزدہ، کبھی مصائب سے دوچار ہیں اور کبھی نعمتوں سے مالا مال، کبھی ناکام ہوتے ہیں اور کبھی کامیاب۔ ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں اخلاقِ فاضلہ کا تمام تر انحصار ان ہی جذبات اور احساسات کے اعتدال اور باقاعدگی پر ہے ان سب کے لئے ہم کو ایک علمی سیرت کی حاجت ہے، جس کے ہاتھ میں ہماری ان اندرونی سرکش اور بے قابو قوتوں کی باگ ہو جو ان ہی راستوں پر ہمارے نفس کی غیر معتدل قوتوں کو لے چلے، جن پر سے مدینہ کا بے نفس انسان کبھی گزر چکا ہے۔

عزم، استقلال، شجاعت، صبر، شکر، توکل، رضا، تقدیر، مصیبتوں کی برداشت، قربانی، قناعت، استغفار، ایثار، وجود، تواضع، خاکساری، مسکنت، غرض، نشیب و فراز، بلند و پست، تمام اخلاقی پہلوؤں کے لئے جو مختلف

انسانوں کو مختلف حالتوں میں باہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے مگر وہ کہاں مل سکتی ہے؟ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، حضرت موسیٰ کے پاس، ہم کو سرگرم شجاعانہ قوتوں کا خزانہ مل سکتا ہے، مگر نرم اخلاق کا نہیں! حضرت عیسیٰؑ کے ہاں نرم اخلاق کی بہتات ہے مگر سرگرم اور خون میں حرکت پیدا کرنے والی قوتوں کا وجود نہیں۔ انسان کو اس دنیا میں ان دونوں قوتوں کی معتدل حالت میں ضرورت ہے اور ان دونوں قوتوں کی جامع اور معتدل مثالیں صرف پیغمبر اسلام کی سوانح میں مل سکتی ہیں۔

غرض ایک ایسی شخصی زندگی، جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے، اگر دو متمند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہو تو شعب ابوطالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ۔ اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ احد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو۔ اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھے والے پر نظر جماؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر بکھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی و بیکی کے عالم میں حق کی مٹنادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوہ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو، فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جد جہد

کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نصیر، خیبر اور فذک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو، اگر بتیم ہو تو عبد اللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈ لے بچے کو دیکھو اگر تم جوان ہو تو مکہ کے چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصری کے کارواں سالار کی مثالیں ڈھونڈو، اگر عدالت کے قاضی اور نیچا بیٹوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشے میں کھڑا کر رہا ہے۔ مدینہ میں کئی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برابر تھے۔

اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ اور حسنؓ و حسینؓ کے نانا کا حال پوچھیو، غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لئے نمونہ تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لئے سامان، تمہارے ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے، اس لئے طبقہ انسانی کے ہر طالب اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لئے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے جس کی نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے اس کے سامنے نوح و ابراہیم، ایوب و یونس، موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام سب کی سیرتیں موجود ہیں، گویا تمام دوسرے انبیائے کرام کی سیرتیں صرف ایک ہی جنس کی اشتیاء کی دوکانیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، اخلاق و اعمال کی دنیا کا سب سے بڑا بازار (مارکیٹ) ہے، جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے

کے طلب گار کے لئے بہترین سامان موجود ہے۔

آج سے تیس چالیس برس پہلے پٹنہ کے مشہور داعی اسلام ماسٹر حسن علی مرحوم ”نور اسلام“ نام ایک رسالہ نکالتے تھے، اس میں انہوں نے اپنے ایک ہندو تعلیم یافتہ دوست کی رائے لکھی ہے کہ ”اس نے ایک دن ماسٹر صاحب سے کہا کہ ”میں آپ کے پیغمبر کو دنیا کا سب سے بڑا کامل انسان تسلیم کرتا ہوں۔“ انہوں نے پوچھا ”ہمارے پیغمبر کے مقابلے میں تم حضرت عیسیٰؑ کو کیا سمجھتے ہو؟“ اس نے جواب دیا کہ ”محمدؐ کے مقابلے میں عیسیٰؑ ایسے معلوم ہوتے ہیں، جیسے کسی دانائے روزگار کے سامنے ایک بھولا بھالا بچہ بیٹھا ہو، بیٹھی مٹھی باتیں کر رہا ہو۔“ انہوں نے دریافت کیا کہ ”تم کیوں پیغمبر اسلام کو دنیا کا کامل انسان جانتے ہو؟“ اس نے جواب دیا کہ مجھ کو ان کی زندگی میں بیک وقت اس قدر متضاد اور متنوع اوصاف نظر آتے ہیں جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے کبھی یک جا کر کے نہیں دکھائے، بادشاہ ایسا کہ ایک پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو، اور بے بس ایسا کہ خود اپنے کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو بلکہ خدا کے قبضہ میں، دو لقمہ ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اس کے دارالحکومت میں آرہے ہوں اور محتاج ایسا کہ مہینوں اس کے گھر چولہا نہ جلتا ہو اور کئی کئی وقت اس پر فاقے سے گزر جاتے ہیں۔ سپہ سالار ایسا ہو کہ مٹھی بھر ہتھ آدھیوں کو لے کر ہزاروں غرق آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پر جوش جان نثاروں کی ہمرکابی کے باوجود صلح کے کاغذ پر بے چوں و چرا دستخط کر دیتا ہو۔ شجاع اور بہادر ایسا ہو کہ ہزاروں کے مقابلے میں تن تنہا کھڑا ہو، اور نرم دل ایسا کہ کبھی اس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو، با تعلق ایسا ہو کہ عرب کے ذرہ ذرہ کی اس

کو فکر، بیوی بچوں کی اس کو فکر، غریب و مفلس مسلمانوں کی اس کو فکر، خدا کی بھولی ہوئی دنیا کے سدھارنے کی اس کو فکر، غرض سارے سنسار کی اس کو فکر ہو، اور بے تعلق ایسا کہ اپنے خدا کے سوا کسی اور کی یاد اس کو نہ ہو، اور اس کے سوا ہر چیز اس کو فراموش ہو۔ اس نے کبھی اپنی ذات کے لئے اپنے بُرا کہنے والوں سے بدلہ نہیں لیا اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دُعا ئے خیر کی اور ان کا بھلا چاہا۔ لیکن خدا کے دشمنوں کو اس نے کبھی معاف نہیں کیا اور حق کا راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنم کی دھمکی دیتا اور عذاب الہی سے ڈراتا رہا۔ عین اس وقت جب اس پر ایک تیغ زن سپاہی کا دھوکہ ہوتا ہو وہ ایک شب زندہ دار زاہد کی صورت میں جلوہ نما ہو جاتا ہے، عین اس وقت جب اس پر کشور کشاف تاج کا شبہ ہو وہ پیغمبرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔ عین اس وقت جب ہم اس کو شاہ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں، وہ کھجور کی پچھال کا تکیہ لگائے کھڑی چٹائی پر بیٹھا درویش نظر آتا ہے عین اس وقت اس دن جب عرب کے اطراف سے آ کر اس کے صحن مسجد میں مال و اسباب کا انبار لگا ہوتا ہے، اس کے گھر میں فاقہ کی تیاری ہو رہی ہے، عین اس عہد میں جب لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے گھروں میں لونڈی اور غلام بن کر بھیجے جا رہے ہیں۔ فاطمہ بنت رسول اللہ جا کر اپنے ہاتھوں کے پھالے اور سینہ لکے داغ باپ کو دکھاتی ہیں، جو چلے پیستے پیستے اور مشکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سینہ پر پڑ گئے تھے، عین اس وقت جب آدھا عرب اس کے زیرِ نگیں ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ حاضر دربار ہوتے ہیں اور ادھر ادھر نظر اٹھا کر کاشانہ نبوت کے سامان کا جائزہ لیتے ہیں، آپ ایک کھڑی چارپائی یا چٹائی پر آرام فرما رہے ہیں، جسم مبارک پر بالوں کے نشان پڑ گئے ہیں، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں، ایک کھونٹی میں خشک مشکیزہ لٹک رہا ہے، سرور کائنات

کے گھر کی یہ کائنات دیکھ کر حضرت عمرؓ رو پڑتے ہیں، سبب دریافت ہوتا ہے، عرض کرتے ہیں یا رسول اللہؐ اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا؟ قیصر و کسری باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپ پیغمبرؐ ہو کر اس حالت میں ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسری دنیا کے مزے لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت۔

ابوسفیان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے حریف تھے فتح مکہ کے دن وہ حضرت عباسؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کا تماشا دیکھ رہے ہیں رنگ رنگ کی بیوقوفوں اور جھنڈیوں کے سایہ میں اسلام کا دریا اُمنڈنا آرہا ہے قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھتی چلی آرہی ہیں ابوسفیان کی آنکھیں اب بھی دھوکا کھاتی ہیں، وہ حضرت عباسؓ سے کہتے ہیں ”عباس تمہارا بھتیجا تو بڑا بادشاہ بن گیا۔“ عباسؓ کی آنکھیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں، فرمایا ”ابوسفیان! یہ بادشاہی نہیں نبوت ہے۔“

عدی بن حاتم قبیلہ رطے کے رئیس مشہور حاتم طائی کے فرزند تھے اور مذہباً عیسائی تھے، وہ حضورؐ کے دربار میں آتے ہیں، صحابہؓ کی عقیدت مند ہوں اور جہاد کا ساز و سامان دیکھ کر ان کو اس فیصلہ میں دقت ہوتی ہے کہ محمدؐ بادشاہ ہیں یا پیغمبر۔ دفعۃً مدینہ کی ایک غریب لونڈی اگر کھڑی ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ حضورؐ سے کچھ عرض کرنا ہے، فرماتے ہیں، دیکھو مدینہ کی جس گلی میں کہو میں تمہاری باتیں سن سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور اس کی حاجت پوری کر دیتے ہیں۔ اس ظاہری جاہ و جلال کے پردہ میں یہ عجز، یہ خاکساری، یہ تواضع دیکھ کر عدی کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور وہ دل میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ یقیناً پیغمبرؐ انہ شان ہے، فوراً گلے سے صلیب اتار دیتے ہیں،

اور محمد رسول اللہ کا حلقہ اطاعت اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں۔

غرض میں نے جو کچھ کہا ہے، وہ محض شاعرانہ انشا پر دازی نہیں بلکہ تاریخی واقعات ہیں، ایسی کامل و جامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور ہر قسم ہر کردہ اور ہر صنف انسانی کے لئے ہدایت کی مثالیں اور نظریں رکھتی ہو، وہی اس لائق ہے جو اس اصناف و انواع سے بھری ہوئی دنیا کی عالمگیر اور دائمی رہنمائی کا کام انجام دے، جو غیظ و غضب اور رحم و کرم جو دوسخا اور فقر و فاقہ، شجاعت و بہادری اور رحم دلی و رقیق القلبی، خانہ داری اور خدادانی، دنیا اور دین دونوں کے لئے ہم کو اپنی زندگی کے نمونوں سے بہرہ مند کر دے، جو دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دے اور دونوں بادشاہیوں کے قواعد و قوانین اور دستور العمل کو اپنی زندگی میں برت کر دکھا دے، عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ دنیا میں صرف عفو و درگزر، معافی اور نرمی، انسانیت کی تکمیل کے سب سے بڑے ذریعے ہیں بلکہ فقط یہی ذریعے ہیں، اس لئے جس ہستی میں صرف یہ ایک پہلو ہو، وہی انسانیت کی سب سے بڑی معلم اور محسن ہے، لیکن ہمیں یہ بتناؤ کہ انسان کے اخلاق میں کیا فقط یہی قوتیں ودیعت ہیں یا اس کے مقابل کی قوتیں بھی ہیں۔ ایک انسان میں دیکھو تو غصہ اور کرم، محبت اور عداوت، خواہش اور قناعت، انتقام اور عفو، ہر قسم کے فطری جذبات موجود ہیں اس لئے ایک کامل معلم وہی ہو سکتا ہے جو انسانیت کے ان تمام قوی اور جذبات میں اعتدال پیدا کر کے ان کے صحیح مصرف کو متعین کر دے۔ جن مذہبوں کو یہ دعویٰ ہے کہ ان کے پیغمبروں کی سیرتیں صرف رحم و کرم اور عفو و درگزر پر مبنی ہیں، وہ مجھے بتائیں کہ اجتماعی حیثیت سے وہ کے دن ان سیرتوں کے مطابق عمل کر سکے؟ قسطنطین پہلے عیسائی بادشاہ سے لے کر آج تک عیسائی مذہب میں کتنے صاحب تاج

تحت پیدا ہوئے اور کتنی بادشاہیاں قائم ہوئیں، مگر ان میں سے کس نے اپنی سلطنت کا قانون صرف اپنے پیغمبر کی سیرت کی پیروی کو قرار دیا؟ پھر ایسی سیرت جو علمی دنیا میں ہر حیثیت سے اپنے پیروؤں کے لئے نمونہ نہ ہو، وہ کیونکر جامع کہی جاسکتی ہے۔

حضرت نوحؑ کی زندگی کفر کے خلاف غیظ و غضب کا دلولہ پیش کرتی ہے، حضرت ابراہیمؑ کی حیات بت شکنیوں کا منظر دکھاتی ہے، حضرت موسیٰؑ کی زندگی کفار سے جنگ و جہاد، شاہانہ نظم و نسق اور اجتماعی دستور و قوانین کی مثال پیش کرتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی لائف صرف خاکساری، تواضع، عفو و درگزر اور قناعت کی تعلیم دیتی ہے۔ حضرت سلیمانؑ کی زندگی شاہانہ اولوالعزمیوں کی جلوہ گاہ ہے، حضرت ایوبؑ کی حیات صبر و شکر کا نمونہ ہے، حضرت یونسؑ کی سیرت ندامت و انابت اور اعتراف کی مثال ہے۔ حضرت یوسفؑ کی زندگی قید و بند میں بھی دعوت حق اور جوش تبلیغ کا سبق ہے۔ حضرت داؤدؑ کی سیرت گریہ و رکاہ حمد و ستائش اور دعا و زاری کا صحیفہ ہے۔ حضرت یعقوبؑ کی زندگی امید و خدا پر توکل اور اعتماد کی مثال ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو دیکھو تو اس میں نوحؑ اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ، سلیمانؑ اور داؤدؑ، ایوبؑ اور یونسؑ، یوسفؑ اور یعقوبؑ کی زندگیاں اور سیرتیں سمٹ کر سما گئی ہیں۔

محدث خطیب بغدادی کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ کی پیدائش کے وقت ندا آئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکوں ملکوں پھراؤ اور سمنڈ کی تہوں میں لے جاؤ کہ تمام دنیا ان کے نام کو پہچان لے، جن و انس، چرند و پرند، بلکہ ہر جاندار کے سامنے ان کو لے جاؤ، ان کو آدم کا خلق، شیت کی معرفت

نوحؑ کی شجاعت، ابراہیمؑ کی دوستی، اسماعیلؑ کی زبان، اسحاقؑ کی رضا، صالحؑ کی فصاحت، لوطؑ کی حکمت، موسیٰؑ کی سختی، ایوبؑ کا صبر، یونسؑ کی اطاعت، یوشعؑ کا جہاد، داؤدؑ کی آواز، دانیالؑ کی محبت، الیاسؑ کا وقار، یحییٰؑ کی پاک دہنی اور عیسیٰؑ کا زہد عطا کرو اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو۔ جن علمائے اس روایت کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، ان کا انتشار در حقیقت یہی ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی صفتِ جامعیت کو نمایاں کریں مگر کچھ اور انبیاء علیہم السلام کو متفرق طور پر عطا ہوا تھا، وہ سب مجموعی طور سے آنحضرت کو عطا ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں دیکھو یہ جامعیت کی صفتِ کاملہ پورے طور پر نمایاں ہو جائے گی۔ مکہ کے پیغمبر کو جب مکہ سے یثرب جانے دیکھو تو کیا وہ پیغمبر تم کو یاد نہ آئے گا جو مصر سے مدین جاتا نظر آتا ہے، کوہِ حرا کے غار نشین اور کوہِ سینا کے تماشائی میں ایک حیثیت سے کیسی یکسانی نظر آتی ہے، مگر جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی آنکھیں کھلی تھیں اور آنحضرتؐ کی بند، حضرت موسیٰؑ باہر دیکھ رہے تھے اور

آنحضرتؐ اندر، کوہِ زینون پر وعظ کہنے والے پیغمبر (حضرت عیسیٰ) اور صفا پر چڑھ کر یا معشر قریش! کہہ کر پیکار کرنے والے میں کتنی مشابہت ہے۔ بدر جنین اور احزاب و بنوکت والے سپہ سالار اور موابیوں اور عمرونیوں اور امویوں سے نبرد آزما پیغمبر (موسیٰ) میں کس قدر مماثلت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے سات سرداروں کے حق میں بددعا کی، تو آپ کی زندگی موسیٰؑ کے مثل تھی، جب انہوں نے ان فرعونوں پر بددعا کی، جو معجزات پر معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لائے، اور جب آپ نے اُحد میں اپنے قاتلوں اور دشمنوں کے

حق میں دعائے خیر کی تو اس وقت گویا آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قالب میں تھے، جنہوں نے کبھی اپنے دشمنوں کا بھی بُرا نہیں چاہا۔ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم مسجد نبوی کی عدالت گاہ اور پنجابیتوں میں باغزوات اور لڑائیوں میں دیکھو تو حضرت موسیٰؑ کی سیرت کا نقشہ کھنچ جائے۔ لیکن جب آپ کو مکان کے حجروں میں پہاڑوں کے غاروں میں، رات کی تنہائیوں اور تاریکیوں میں دیکھو تو حضرت عیسیٰؑ کا جلوہ نظر آئے گا۔ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں آپ کی زبان مبارک کی دعاؤں اور مناجاتوں کو سنو تو زبور والے داؤد کا تم کو دھوکا ہوگا۔ فتح مکہ کے خرم و حشم اور بقیہ و علم کے سائے میں آپ کو دیکھو تو تزک و احتشام اور فوجوں والے سلیمانؑ کا معاملہ ہوگا۔ اگر شعب ابی طالب میں آپ کو تین برس اس طرح محصور دیکھو کہ کھانے کا سامان تک بھی وہاں نہ پہنچ سکے، تو مصری قید خانے کے پیغمبر یوسفؑ کا جلوہ دکھائی دے گا، غرض

حسین یوسف، دم عیسیٰ، ید سفیاداری

انجیر خرمباں ہمہ دازند تو تنہاداری

حضرت موسیٰؑ قانون لے کر آئے، حضرت داؤدؑ دعا اور مناجات لے کر اور حضرت عیسیٰؑ زہد و اخلاق لے کر، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قانون بھی لائے اور دعا و مناجات بھی اور زہد و اخلاق بھی، ان سب کا مجموعہ الفاظ و معانی میں قرآن اور عمل میں سیرت محمدیؐ ہے۔

دوستو! اب سیرت محمدیؐ کی جامعیت کا ایک اور پہلو تم کو دکھاؤں۔ دنیا میں دو قسم کی تعلیم گاہیں ہیں، ایک وہ جہاں صرف ایک فن سکھایا جاتا ہے اور ہر فن کے لئے الگ الگ اور مستقل تعلیم گاہیں ہیں، جیسے کوئی میڈیکل کالج ہے کوئی انجیرنگ کالج ہے، ایک آرٹ اسکول ہے ایک تجارت کا مدرسہ ہے ایک زراعت

کی تعلیم گاہ ہے ایک قانون کی درس گاہ ہے، ایک فوجی تعلیم کے لئے مدرسہ جریمہ ہے۔ ان میں سے ہر مدرسہ اور تعلیم گاہ صرف ایک ہی قسم کے طالب علموں کی تعلیم کا انتظام کر سکتی ہے۔ میڈیکل کالج سے صرف ڈاکٹر نکلیں گے، زراعت کے کالج سے صرف زراعت کے ماہر پیدا ہوں گے، قانون کے مدرسہ سے صرف قانون دان تیار ہوں گے، تجارت کی تعلیم گاہ سے صرف تجارت کے واقف کار پیدا ہوں گے۔ علم و فن کے مدرسہ کی خاک سے صرف اہل علم اور اہل فن اٹھیں گے۔ لٹریچر کی تعلیم گاہ سے صرف انشاپر پرداز اور ادیب نکلیں گے۔ ملٹری کالج سے صرف سپاہی پیدا ہوں گے، علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن کہیں کہیں بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہوتی ہیں، یہ دوسری قسم کی تعلیم گاہیں ہیں، جو اپنی وسعت کے مطابق ہر قسم کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتی ہیں، ان کے احاطہ میں ڈاکٹری کا کالج بھی ہوتا ہے اور صنعت و حرفت کا مدرسہ بھی، زراعت اور انجینئرنگ کی تعلیم گاہ بھی ہوتی ہے اور فوجی تعلیم گاہ بھی ہوتی ہے، طلبہ مختلف اطراف و دیار سے آتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق، مناسبت طبع اور استعداد کے مطابق ایک ایک کالج یا مدرسہ کا انتخاب کر لیتے ہیں، پھر وہاں فوجوں کے جنرل اور سپاہی، عدالتوں کے قاضی اور قانون دان، کاروبار کے تاجر اور مهندس، شفا خانوں کے حکیم اور ڈاکٹر پیشوں اور صنعتوں کے واقف کار اور ماہر سب ہی پیدا ہوتے ہیں۔

غور کرو تو معلوم ہوگا کہ صرف ایک ہی تعلیم، ایک ہی پیشہ اور ایک ہی علم کے جاننے والوں سے انسانی سوسائٹی کی تکمیل نہیں ہو سکتی، بلکہ ان سب کے مجموعہ سے وہ کمال کو پہنچتی ہے اور پہنچ سکتی ہے، اگر صرف ایک ہی علم اور ایک ہی پیشہ کے ماہرین سے تمام دنیا معمور ہو جائے تو اس تمدن و تہذیب کی مشین فوراً بند ہوئے اور انسانی کاروبار یک قلم مسدود ہو جائے۔ یہاں تک

اگر تمام دنیا صرف زہد بیستہ خلوت نشینوں سے بھر جائے، تب بھی وہ اپنی تکمیل کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ اب آؤ اس معیار سے مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کریں، بقول حضرت مسیحؑ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، درسگاہ اپنے معنوی فرزندوں اور شاگردوں سے پہچانی جاتی ہیں، تعلیم انسانی کی ان درسگاہوں کا جن کے اساتذہ انبیاء علیہم السلام ہیں، جائزہ لو تو پہلے تو کہیں دس بیس، کہیں ساٹھ ستر، کہیں سو دوسو، کہیں ہزار دو ہزار کہیں پندرہ بیس ہزار طالب علم آپ کو ملیں گے۔ لیکن جب مدرسہ نبوت کی آخری تعلیم گاہ کو دیکھو گے تو تم کو ایک لاکھ سے زیادہ طالب علم بیک وقت نظر آئیں گے، پھر ان دوسری نبوت گاہوں کے طلبہ کو اگر جاننا چاہو کہ وہ کہاں کے تھے؟ کون تھے؟ کیسے تیار ہوئے؟ اور ان کے اخلاق و عادات، روحانی حالات اور دیگر سوانح زندگی کیا تھے؟ اور ان کی تعلیم و تربیت کے عملی نتائج کیسے ثابت ہوئے تو تم کو ان سواکھ کا کوئی جواب نہیں مل سکتا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درسگاہ میں ہر چیز تم کو معلوم ہو سکتی ہے اس کے ہر ایک طالب علم کا نام و نشان، حالات و سوانح، نتائج تعلیم و تربیت، ہر چیز تاریخ اسلام کے اوراق میں ثبت ہے، آگے بڑھو، نبوت اور دعوت مذہب کی ہر ایک درسگاہ کا آج یہ دعویٰ ہے کہ اس کے دروازے ہر قوم کے لئے کھلے ہوئے ہیں، مگر اس درسگاہ کے بانی اور معلم اول کی سیرت پڑھو کہ کیا اس کے عہد میں کسی ایک ہی ملک، ایک ہی نسل، ایک ہی خاندان کے طالب علم اس میں داخل ہوئے، اور ان کو داخلہ کی اجازت دی گئی یا ان کی دعوت میں یہ عموم، جامعیت اور عالمگیری تھی کہ نسلِ آدم کا ہر ایک فرزند اور ارضِ خاکی کا ہر ایک باشندہ اس میں عموماً داخل ہو سکیا اس کو داخل ہونے کے لئے آواز دی گئی۔ تو رات کے تمام انبیاء ملک عراق یا ملک شام یا ملک مصر

سے آگے نہیں بڑھے، یعنی اپنے وطن میں جہاں وہ رہتے تھے، محدود رہے اور اپنی نسل و قوم کے سوا غیروں کو انہوں نے آواز نہیں دی، زیادہ تر ان کی کوششوں کا مرکز صرف اسرائیل کا خاندان رہا۔ عرب کے قدیم انبیاء بھی اپنی قوموں کے ذمہ دار تھے، وہ باہر نہیں گئے۔ حضرت عیسیٰؑ کے مکتب میں بھی غیر اسرائیل طالب العلم کا وجود نہ تھا۔ وہ صرف اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیروں کی تلاش میں تھے۔ (متی: باب ۷ آیت ۲۴) اور غیروں کو تعلیم دے کر وہ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے (انجیل) ہندوستان کے داعی پاک آریہ ورت سے باہر جانے کا خیال بھی دل میں نہیں لاسکتے تھے، اگرچہ بودھ کے پیرو بادشاہوں نے اس کے پیغام کو باہر کی قوموں تک پہنچایا، مگر یہ عیسائیوں کی طرح بعد کے بیروؤں کا فعل تھا، خود داعی مذہب کی سیرت اس عالمگیری اور جامعیت کی مثال سے خالی ہے۔

اب آؤ ذرا عرب کے اس اچھے معلم کی درسگاہ کا مطالعہ کریں۔ یہ کون طالب علم ہیں؟ یہ ابوبکر و عمر، علی و عثمان، طلحہ و زبیر وغیرہ (رضی اللہ عنہم) مکہ کے قریشی طالب العلم ہیں، یہ کون ہیں؟ ابوذرؓ اور انسؓ ہیں۔ یہ مکہ سے باہر تہامہ کے غفاری قبیلہ کے ہیں، یہ کون ہیں؟ یہ ابوہریرہؓ اور طفیل بن عمروؓ ہیں یمن سے آئے ہیں اور دوسی قبیلہ کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ ہیں، یہ بھی یمن سے آئے ہیں اور دوسرے قبیلوں کے ہیں، یہ کون ہیں؟ یہ ضاد بن ثعلبہؓ ہیں، قبیلہ ازو کے ہیں؟ یہ کون ہیں؟ یہ خبابؓ بن الارت قبیلہ ریم کے ہیں، یہ منقذ بن حبان اور منذر بن عامرؓ ہیں، عبد القیس کے قبیلہ کے ہیں اور بحرین سے آئے ہیں۔ یہ عبیدہ و جعفر، عمان کے رئیس ہیں۔ یہ بلالؓ ہیں یہ معان یعنی حدود شام کے رہنے والے ہیں۔ یہ کالے کالے کون ہیں؟

یہ بلال نہیں ملک حبش والے یہ کون ہیں؟ یہ صہیبؓ رومی کہلاتے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ایران کے سلمانؓ فارسی ہیں، یہ فیروز دہلوی ہیں، یہ سیبخت اور کمبود نہیں نسل ایرانی ہیں۔

حدیث کی صلح ۳ھ میں وہ عہد نامہ مرتب کراتی ہے جو اسلام کا عین منشاء ہے یعنی قریش اور مسلمان دونوں فریق جنگ موقوف کریں اور مسلمان جہاں چاہیں اپنے مذہب کی دعوت دیں۔ اس دلخواہ کامیابی کے بعد پیغمبر اسلام علیہ السلام نے کیا کیا؟ اسی سال ۳ھ میں تمام قوموں کے سلاطین اور امراء کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے اور ان کو خدا کا پیغام پہنچایا۔ وحیہ کلی ہر وشل قیصر روم کی بارگاہ میں۔ عبداللہ بن حذافہ سہمی خسر پریز شہنشاہ ایران کے دربار میں، حاطب بن بلتعہ مقوقس عزیز مصر کے یہاں، عمرو بن امیہ حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس، شجاع بن وہب الاسدی شام کے رئیس حارث غسانی اور سلیط بن عمرو روم کے درباروں میں پیغمبر اسلام کے خطوط لے کر جاتے ہیں کہ محمدؐ کی درسگاہ میں داخلہ کا اذن عام ہے۔

حضرات اس واقعہ سے درس گاہ محمدیؐ کی جامعیت کا یہ پہلو نمایاں ہوتا ہے کہ اس میں داخلہ کے لئے رنگ و روپ، ملک و وطن، قوم و نسل اور زبان و لہجہ کا سوال نہ تھا، بلکہ وہ دنیا کے تمام خاندانوں، تمام قوموں، تمام ملکوں اور تمام زبانوں کے لئے عام تھی۔

صلائے عام ہے یا رانِ نکتہ داں کے لئے

اب آؤ اس درسگاہ کی حیثیت اور درجہ کا پتہ لگائیں، کیا یہ وہ اسکول اور کالج ہے جہاں ایک ہی فن کی تعلیم ہوتی ہے، یا اس کی حیثیت ایک جامع اور عمومی درسگاہ اور عظیم الشان یونیورسٹی کی ہے، جہاں ذوق مناسبت طبع

اور استعداد کے مطابق ہر ملک کے لوگوں کو اور ہر قوم کے افراد کو الگ الگ تعلیم ملتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی تعلیم گاہ کو دیکھو، وہاں صرف فوج کے سپاہی اور یوشع جیسے فوجی افسر اور قاضی اور کچھ مذہبی عہدہ دار پائے جاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے طالب علموں کو تلاش کرو، چند زہد پیشہ فقرا فلسطین کی گلیوں میں ملیں گے، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کیا نظر آئے گا؟ ایک طرف اصحہ حبش کا نجاشی بادشاہ، فروہ معان کا رئیس، ذوالکلاعؓ حمیر کا رئیس، عامر بن شہر قبیلہ ہمدان کا رئیس، فیروز دیلمی اور مرکبہ دین کے رئیس، عبیدہ و جعفر عمان کا رئیس، دوسری طرف بلالؓ، یاسرؓ، صہیبؓ، خطابؓ۔ عمارؓ اور ابو فکھیرہؓ کے سے غلام اور تمیمہؓ، لبینہؓ، زبیرہؓ، نہدیہؓ اور ام عبیسہؓ کی سی لونڈیاں ہیں۔ غور سے کچھ امیر و غریب، شاہ و گدا، آقا و غلام دونوں ایک صف میں کھڑے ہیں۔

ایک طرف عقلائے روزگار اسرار فطرت کے محرم، دنیا کے جہان بان اور ملکوں کے فرماں روا اس درس گاہ سے تعلیم پا کر نکلتے ہیں۔ ابو بکر صدیقؓ ہیں، عمر فاروقؓ ہیں، عثمان غنیؓ ہیں علی رضیؓ ہیں، معاویہؓ بن ابی سفیانؓ ہیں جنہوں نے مشرق سے مغرب تک، افریقہ سے ہندوستان کی سرحد تک فرماں روائی کی جو دنیا کے بڑے سے بڑے شہنشاہ اور حکمران کی سیاست و تدبیر اور نظم و نسق کے کارناموں کو منسوخ کر دیتی ہے، ان کے عدل و انصاف کے فیصلے، ایرانی ستود اور رومی قانون کو بے اثر کر دیتے ہیں اور دنیا کی سیاسی و انتظامی تاریخ میں وہ درجہ حاصل کر لیتے ہیں جن کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔

دوسری طرف خالد بن ولیدؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابو عبیدہؓ بن جراح، عمرو بن العاصؓ پیدا ہوتے ہیں، جو مشرق و مغرب کی دو ظالم و گنہگار اور انسانیت کے لئے لعنت سلطنتوں کا چند سال میں مرقع الٹ دیتے ہیں اور دنیا کے وہ

فاتح اعظم اور سپہ سالار اکبر ثابِت ہوتے ہیں۔ جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی دنیا میں مٹھی ہوئی ہے، سعدؓ نے عراق و ایران کا تاج شہنشاہی اتار کر اسلام کے قدموں پر ڈال دیا۔ خالدؓ اور ابو عبیدہؓ نے رومیوں کو تمام سے نکال کر ابراہیمؑ کی موعودہ زمین کی امانت مسلمانوں کے سپرد کر دی۔ عمرو بن العاصؓ نے فرعون کی سرزمین، دادی نیل رود من شہنشاہی کے ہاتھوں سے زبردستی پھین لی۔ عبد اللہ بن زبیرؓ اور ابن ابی سرحؓ نے افریقہ کا میدان دشمنوں سے جیت لیا۔ یہ وہ مشہور فاتح اور سپہ سالار ہیں جن کی قابلیتوں کو زمانے نے تسلیم کیا ہے اور تاریخ نے ان کی بزرگی کی شہادت دی ہے۔

تیسری طرف باذان بن ساسان (یمین) خالد بن سعید (صغار) جہاد بن امیہ (کندہ) زیاد بن لبید (حضر موت) عمر بن حزم (نجران) یزید بن ابی سفیان (تیمار) علاء بن حفصی (بحرین) وغیرہ بیسیوں وہ صحابہؓ ہیں جنہوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کی اور خلق خدا کو آرام پہنچایا۔ چوتھی طرف علماء اور فقہاء کی صف ہے۔ عمر بن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، ابن العاصؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ، ابن زبیرؓ وغیرہ ہیں جنہوں نے اسلام کے فقہ و قانون کی بنیاد ڈالی اور دنیا کے مقتنین میں انہوں نے خاص درجہ پایا۔ پانچویں صف عام ارباب روایت و تاریخ کی ہے، مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت برابر بن عازبؓ وغیرہ، سینکڑوں صحابہؓ ہیں جو احکام و وقائع کے ناقل اور راوی ہیں، ایک چھٹی جماعت اُن ستر صحابہؓ (اہل صفہ) کی ہے جن کے

پاس سر رکھنے کے لئے مسجد نبوی کے چبوترہ کے سوا کوئی جگہ نہ تھی، بدن پر کپڑوں کے سوا دنیا میں ان کی کوئی ملکیت نہ تھی۔ وہ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور ان کو بیچ کر خود کھاتے کچھ خدا کی راہ میں دیتے اور رات کو طاعت و عبادت میں بسر کرتے تھے، ساتواں رُخ دیکھو، ابوذرؓ ہیں، جن کی مانند آسمان کے نیچے ان سے زیادہ حق گو پیدا نہیں ہوا، ان کے نزدیک آج کا کھانا کل کے لئے اٹھا رکھنا بھی شانِ توکل کے خلاف تھا۔ ان کو دربارِ رسالت نے ”مسح الاسلام“ کا خطاب عنایت کیا تھا۔ سلمان فارسیؓ ہیں جو زہد و تقویٰ کی تصویر ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ ہیں جنہوں نے ۳۰ برس کامل طاعت و عبادت میں گزارے اور جب ان کے سامنے خلافت پیش ہوئی تو فرمایا کہ اگر اس میں مسلمانوں کا ایک قطرہ بھی خون گرے تو مجھے منظور نہیں۔ مصعبؓ بن عمیرؓ ہیں جو اسلام سے پہلے قائم و حریر کے کپڑے پہنتے اور ناز و نعمت میں پلے تھے، اور جب اسلام لائے تو ٹاٹ اوڑھتے تھے اور پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے اور جب شہادت پائی تو کفن کے لئے پورا کپڑا نک نہ ملا، پاؤں پر گھاس ڈال کر دفن ہوئے۔ عثمان بن مظعونؓ ہیں جو اسلام کے پہلے صوفی کہلاتے ہیں۔ محمد بن سلمہؓ ہیں جو فتنہ کے زمانہ میں کہتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان تلوار لے کر میرے حجرے میں میرے قتل کرنے کو داخل ہو جائے تو میں اس پر وار نہ کروں گا۔ ابوذرؓ ہیں جن کی راتیں نمازوں میں اور دن روزوں میں گزرتے تھے۔

ایک اور طرف دیکھو! یہ بہادر کارپردازوں اور عرب کے مدبرین کی جماعت ہے اس میں طلحہؓ ہیں زبیرؓ ہیں، مغیرہؓ ہیں مقدادؓ ہیں، سعدؓ بن معاذؓ ہیں سعد بن عبادہؓ ہیں، اسیدؓ بن حضیرؓ ہیں اسد بن زرارہؓ ہیں، عبدالرحمن بن عوفؓ ہیں۔ کاروباری دنیا میں دیکھو تو مکہ کے تاجر اور بیوپاری اور مدینہ کے کاشتکار

اور کسان بھی ہیں اور عبدالرحمنؓ ابن عوف اور سعد بن زبیرؓ جیسے دو متمنب بھی ہیں۔ ایک جماعت حق کے شہیدوں اور بے گناہ مقتولوں کی ہے جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنی عزیز جانیں قربان کیں، مگر حق کا ساتھ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے، حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے فرزند ہالہ تلواروں سے قیمہ کئے گئے۔ ستمیہ حضرت عمائرؓ کی والدہ ابو جہل کی برچی کھا کر ہلاک ہوئیں۔ حضرت یاسرؓ کفار کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے مر گئے۔ حضرت خبیثؓ نے سُولی پر جان دی۔ حضرت زیدؓ نے تلوار کے سامنے گردن جھکا لی۔ حرام بن بلحان اور ان کے انہتر رفقاء نے بیر معونہ پر عصیہ رعل اور ذکوان کے قبائل کے ہاتھوں بے کسی کے ساتھ جام شہادت پیا۔ واقعہ رجیع میں حضرت عاصمؓ اور ان کے ساتھ رفیقوں کے بدن بنو لحيان کے شو تیر اندازوں کے تیروں سے پھیلنی ہوئے۔ مکہ میں ابن ابی العوجار کے ۴۹ ساتھی قبیلہ بنو سلیم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ حضرت کعب بن عمر غفاریؓ مع اپنے ساتھیوں کے ذات اطلاق کے میدان میں شہید ہوئے۔ دنیا کے ایک مشہور مذہب کو صرف ایک سُولی پر ناز ہے لیکن دیکھو کہ اسلام میں کتنی سولیاں، کتنے مذبح اور کتنے مقتل ہیں۔ تلوار کی دھار ہو کہ برچی کی آنی یا سُولی کی لکڑی، بہر حال یہ ایک آنی تکلیف ہے، اس سے زیادہ استقلال اور اس سے زیادہ صبر و آزمائش کی وہ زندگیاں ہیں جو سالہا سال حق کی مصیبتوں میں گرفتار رہیں۔ جنہوں نے آگ کے شعلوں اور گرم ریت کے فرش پر آرام کیا اور پتھر کی سلوں کو اپنے سینوں پر رکھا جن کے گلوں میں رسیاں ڈال کر گھسیٹی گئیں اور جب پوچھا گیا تو وہی محمدؐ کا کلمہ ان کی زبانوں پر تھا۔ شعب ابی طالب کی قید میں تین برس تک جنہوں نے طلحہ (ایک درخت) کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کی، یعنی سعد بن ابی وقاصؓ، وہ کہتے

ہیں کہ ایک رات بھوک کی شدت میں ایک سٹوکھا چڑا مل گیا تو اسی کو دھوکہ
اگ پر پھون کر اور پانی میں ملا کر کھلایا۔ عتبہؓ بن غزو ان کہتے ہیں کہ ہم سات مسلمان
تھے، ان غیر فطری غذاؤں کو کھا کھا کر ہمارے منہ زخمی ہو گئے۔ جنابؐ جب سلام
لائے تو کافروں نے ان کو دھکتے کوٹلوں پر لٹایا، یہاں تک کہ یہ دھکتے ہوئے
کوٹلے ان کی پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہو گئے۔ بلالؓ دوپہر کی جلتی ریت پر لٹائے
جاتے، اور سینہ پر پتھر کی سیل رکھ دی جاتی۔ ان کے گلے میں رتی باندھی جاتی،
اور گلی گلی ان کو گھسیٹا جاتا۔ ابو فکیہؓ کو ان کے پاؤں میں رتی باندھ کر زمین پر
گھسیٹا گیا، ان کا گلہ دبا گیا، اُن کے سینہ پر اتنا بھاری پتھر رکھا گیا کہ بان نکل پڑی۔
عمارؓ جلتی ریت کے فرش پر لٹائے جاتے اور مارے جاتے حضرت زبیرؓ کو ان کا چچیا
چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتا۔ سعید بن زیدؓ رسیوں میں باندھ کے پٹے جاتے۔
حضرت عثمانؓ کو ان کے چچانے رتی میں باندھ کر مارا۔ یہ سب کچھ تھا مگر جو نشہ چڑھ
چکا تھا وہ اُتر نہ تھا، یہ کیسا نشہ تھا؟ یہ ساقی کوثر کے خزانہ جاوید کا نشہ تھا۔
عزیز و اغور کا مقام ہے، یہ وہی وحشی عرب بت پرست عرب، وہی بد اخلاق
عرب ہیں، یہ کیا انقلاب ہو گیا تھا؟ ایک اسی کی تعلیم جاہل عربوں کو عاقل، روشن
دل، روشن دماغ اور متقن کیونکر بنا گئی؟ ایک نہتے پیغمبر کا ولولہ تبلیغ کس میرس
عربوں کو سپہ سالار اور بہادر بنا کر نئے زور و قوت کا خزانہ کیسے عطا کر گیا جو خدا کے
نام سے بھی آستانہ تھے۔ وہ ایسے شب زندہ دار، عابد، متقی اور طاعت گزار کیونکر
ہو گئے۔ تم نے درس گاہ محمدیؐ یا مدینہ یونیورسٹی کی پوری سیر کر لی۔ ہر رنگ اور ہر
مذاق کے طالب علم دیکھے، عالم بھی دیکھے، مقنن بھی دیکھے، فوجی بھی دیکھے، قاضی عدالت
بھی دیکھے، حکام اور والی بھی دیکھے، غریب و مسکین بھی دیکھے، شاہ و امیر بھی دیکھے،
غلام بھی دیکھے، آقا بھی دیکھے، لڑنے والے بھی دیکھے، مرنے والے بھی دیکھے۔ راہ حق کے

شہیدوں کو بھی دیکھا۔ تم نے کیا فیصلہ کیا؟ اس کے سوا کیا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انسانی کمالات اور صفات حسنہ کا ایک کامل مجموعہ تھی اور یہ سب ان ہی کی جامعیت کی نیونگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں جو کبھی حدیقہ و فناء ہو کر جگتی تھیں، کبھی ذی النورینؑ اور تھنیؑ ہو کر نمایاں ہوتی تھیں، کبھی خالد اور ابو عبیدہؓ اور کبھی سعدؓ و جعفر طیارؓ ہو کر سامنے آتی تھیں، کبھی ابن عمرؓ اور ابوذرؓ اور سلمانؓ اور ابوذرؓ ہو کر مسجد و محراب میں نظر آتی تھیں، کبھی ابن عباسؓ اور ابی بن کعبؓ زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی صورت میں علم و فن کی درگاہ اور عقل و حکمت کا دستان بن جاتی تھیں اور کبھی بلالؓ و مہیبؓ اور عمارؓ و خبیثؓ کی امتحان گاہوں میں تسلی کی روح اور تسکین کا پیام بن جاتی تھیں، گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک آفتاب عالم تاب تھا جس سے اونچے پہاڑ، نیلے میدان، بہتی نہریں سرسبز کھیت، اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تابش اور نور حاصل کرتے تھے، یا ابرار اس تھا جو پہاڑ اور جنگل، میدان اور کھیت، ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا اور ہر ٹکڑا اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہو رہا تھا اور قسم قسم کے درخت اور رنگارنگ پھول اور پتے جم رہے تھے اور اگ رہے تھے۔

ان نیونگیوں کے ساتھ اور اس اختلاف استعداد کے باوجود ایک چیز بھی جو مشترک طور سے سب میں نمایاں تھی، وہ ایک بجلی تھی جو سب میں کوند رہی تھی ایک رُوح تھی جو سب میں تڑپ رہی تھی۔ بادشاہ ہوں یا گدا، امیر ہوں یا غریب، حاکم ہوں یا محکوم، قاضی ہوں یا گواہ، افسر ہوں یا سپاہی، استاد ہوں یا شاگرد، عابد و زاہد ہوں یا کاروباری، غازی ہوں یا شہید، توحید کا نور، اخلاص کی رُو، قربانی کا ولولہ خلق کی ہدایت اور ہمنامی کا جذبہ، اور بالآخر ہر کام میں خدا کی رضا طلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا، وہ جو کچھ بھی ہوں، جہاں بھی ہوں اور جو بھی کر رہے ہوں، یہ

فیضانِ حق سب میں یکساں اور برابر تھا، راستوں، رنگتوں اور مذاقوں کا اختلاف تھا، مگر اللہ ایک تھا، قرآن ایک تھا، رسول ایک تھا اور قبلہ ایک تھا۔ ہر رنگ ہر راستہ اور ہر کام سے مقصود دنیا کی درستی، خلق کی ہمدردی خدا کے نام کی اونچائی اور حق کی ترقی تھی اور اس کے سوا کوئی چیز ان کے پیش نظر نہ تھی۔

دوستو! میں نے آج کی تقریر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ کی صفتِ معیت کی نیز نگیاں مختلف پہلوؤں سے دکھائیں، اگر تم مطالعہِ فطرت کے بعد یقین رکھتے ہو کہ یہ دنیا انسانی مزاجوں اور انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے تو یقین کرو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع شخصیت کے سوا اس کا کوئی آخری اور دائمی اور عالمگیر رہنما نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے اعلان فرمایا اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّکُمْ اللّٰهُ ؕ اِکْرَمَ اللّٰہ کی محبت کا دعویٰ ہے تو آؤ میری پیروی کرو، اگر تم بادشاہ ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر تم رعایا ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر تم سپہ سالار ہو اور سپاہی ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر دو متمند ہو تو میری پیروی کرو، اگر غریب ہو تو میری پیروی کرو، اگر بیکس اور مظلوم ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم اللہ کے عابد ہو تو میری پیروی کرو، اگر قوم کے خادم ہو تو میری پیروی کرو۔ غرض جس نیک راہ پر بھی ہو اور اس کے لئے بلند سے بلند اور عمدہ سے عمدہ نمونہ چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَسَلِّمْ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

سیرت محمدیؐ کا عملی پہلو یا عملیت

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

صاحبو! محمد رسول اللہؐ کی پیروی کس چیز میں اور کیوں کر کرنی چاہئے اس کے لئے آج ہم کو سیرۃ نبویؐ علیٰ صاحبہا السلام کا عملی پہلو دکھانا ہے، یہ انبیائے کرام اور بانیان مذاہب کی موجودہ سیرتوں کا وہ باب ہے جو تمام تر خالی اور سادہ ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے اور تنہا یہی ایک معیار اس فیصلہ کے لئے کافی ہے کہ نبیوں کا سردار اور رسولوں کا خاتم کون ہو سکتا ہے، مفید نصیحتوں، بیٹھی بیٹھی باتوں اور اچھی اچھی تعلیموں کی دنیا میں کمی نہیں، کمی جس چیز کی ہے وہ کام اور عمل ہے۔ موجودہ مذاہب کے شارعوں اور بانیوں کی سیرتوں کے تمام صفحے پڑھ جاؤ، دلچسپ تصویریاں ملیں گی، دلائل و حقائق ملیں گی۔ خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی، تقریر کا زور و شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا، موثر تشلیلیں تھوڑی دیر کے لئے خوش کر دیں گی، مگر جو چیز نہیں ملے گی، وہ عمل، کام اور اپنے احکام و نصائح کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے۔

انسان کی علمی سیرت کا نام ”خلق“ (اخلاق) قرآن کے سوا اور کس مذہب کے صحیفہ نے اپنے شائع کی نسبت اس بات کی کھلی شہادت دی ہے کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بھی بدرجہا بلند انسان تھا۔ لیکن قرآن نے صاف کہا اور دوست دشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا:

وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ (لے محمدؐ!) بیشک تیری مزدوری نہ ختم ہونے والی ہے اور بیشک تو بڑے (درجہ کے) اخلاق پر ہے۔

یہ دونوں فقرے گو نحو میں معطوف و معطوف علیہ ہیں، لیکن درحقیقت اپنے اشارۃ النص اور ترکیب کلام کے لحاظ سے علت و معلول ہیں، یعنی دعوے اور دلیل ہیں، پہلے ٹکڑے میں آپ کے اجر کے نہ ختم ہونے کا دعویٰ ہے، اور دوسرے ٹکڑے میں آپ کے عمل اور اخلاق کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے، یعنی آپ کے اعمال اور آپ کے اخلاق خود اس کی دلیل ہیں کہ آپ کے اجر کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ مکہ کا امی معلم صلی اللہ علیہ وسلم پکار کر کہتا تھا۔

لَا تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (صف) کیوں تم کہتے ہو جو کرتے نہیں!

اور اس اعلان کا اس کو حق تھا کیونکہ وہ جو کچھ کہتا تھا، اس کو کر کے دکھا دیتا تھا۔ کوہ زینون کے واعظ (حضرت عیسیٰ مسیحؑ) اور کوہ صفا کے مبلغ (محمد رسول اللہؐ) ان دونوں سیرتوں کو اس علمی حیثیت سے پڑھو اور مطالعہ کرو، تو معلوم ہوگا کہ ایک کی سیرت اس سے یکسر خالی ہے، تو دوسری کی سرنایا معمور، قوت پاکر عفو اور حلم پیش کرنا بلند اخلاقی ہے، لیکن کسی معذور مجبور یا کمزور کی خاموشی کی تعبیر عفو و حلم سے نہیں کی جاسکتی، ایک شخص نے کسی کو مارا نہیں کسی کو قتل نہیں کیا کسی کے ساتھ برائی نہیں کی، کسی کا مال نہیں لوٹا، کوئی گھر

نہیں بنایا، کچھ جمع نہیں کیا، لیکن یہ سب کی سب منفی اور سلبی خوبیاں ہیں۔ یہ بتاؤ کہ مارا تو نہیں لیکن کسی غریب و کمزور کی مدد کی، کسی کو قتل نہیں کیا، لیکن کسی کو قتل ہونے سے بچایا بھی؟ کسی کے ساتھ بُرائی نہیں کی، لیکن کسی کے ساتھ اچھائی بھی کی؟ کسی کا مال نہیں چھینا، لیکن کسی غریب و مسکین کو کچھ دیا بھی؟ اپنے لئے کوئی گھر نہیں بنایا لیکن کسی بے گھرے اور بے خانماں کو پناہ بھی دی؟ اپنے لئے کچھ جمع نہیں کیا لیکن دوسروں کو کچھ دیا اور دلایا بھی؟ دنیا کو یہ ثبوتی اور ایجابی خوبیاں درکار ہیں اور انہی کا نام عمل ہے۔ قرآن پاک گواہی دیتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ
وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَأُفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ -

پس اللہ کی عنایت سے تم اُن کیلئے نرم ہو، (اے محمدؐ) اور اگر تم (کہیں) کج خلق اور سخت دل ہوتے تو البتہ یہ لوگ (جو تمہارے آس پاس جمع ہوئے ہیں) تمہارے ارد گرد سے پھٹ جاتے۔ (العران - ۱۷)

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم دلی کا متواتر بیان ہے، جو دعویٰ اور دلیل کے ساتھ خود صحیفۃ الہی میں موجود ہے، کہ اگر آپ نرم دل اور رحیم نہ ہوتے تو یہ وحشی، نڈر، بے خوف اور درشت مزاج عرب کبھی آپ کے گرد جمع نہ ہوتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ
عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ
بِأَلْمُومِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ -

تمہارے پاس خود تم میں سے ایک پیغمبر آیا جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے۔ تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے، ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔ (توبہ - ۱۲۹)

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان

ترجمانہ جذبات کا ذکر فرمایا ہے جو تمام بنی نوع اور تمام بنی آدم کے ساتھ تھے، چنانچہ فرمایا کہ اے لوگو! تمہارا تکلیف و مصیبت اٹھانا، حق کے قبول سے انکار کرنا اور اپنی حالت گنہگاری پر اس طرح ڈٹے رہنا رسول پر شاق ہے اور تمہاری بھلائی اور خیر طلبی کا وہ بھوکا ہے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ یہی خیر خواہی تمہاری دعوت و تبلیغ اور نصیحت پر اس کو آمادہ کرتی ہے اور جو لوگ اس کی دعوت اور پکار کو سن لیتے ہیں، وہ ان کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔ غرض اس آیت پاک میں اس بات کی شہادت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنی نوع انسان کے خیر خواہ اور خیر طلب تھے اور مسلمانوں پر خصوصیت کے ساتھ مہربان اور شفیق تھے۔

یہ آپ کے عملی اخلاق کے متعلق آسمانی شہادتیں ہیں۔

قرآن پاک، اسلام کے احکام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو تعلیمات انسانوں کو پہنچائی گئیں، ان کا مجموعہ ہے بحیثیت ایک عملی پیغمبر کے آنحضرتؐ کی سیرت مبارک درحقیقت قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے، جو حکم آپ پر اُتار اگیا، آپ نے خود اس کو کر کے بتایا، ایمان، توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، جہاد، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، صبر، شکر، ان کے علاوہ اور حسنِ عمل و حسنِ خلق کی باتیں جس قدر آپ نے فرمائیں، ان کے لئے سب سے پہلے آپ نے اپنا ہی نمونہ پیش فرمایا۔ جو کچھ قرآن میں تھا، وہ سب مجسم ہو کر آپ کی زندگی میں نظر آیا۔ چند صحابی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا ام المومنین حضورؐ کے اخلاق اور معمولات بیان فرمائیے۔ ام المومنین جواب میں کہتی ہیں، کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ کان خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القرآن آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا (ابوداؤد) قرآن

الفاظ و عبارت ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس کی
عملی تفسیر۔

انسان کے اخلاق، عادات اور اعمال کا بیوی سے بڑھ کر کوئی واقفکار نہیں
ہو سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس وقت
حضرت خدیجہؓ کے نکاح کو ۱۵ برس ہو چکے تھے اور یہ اتنی بڑی مدت ہے
جس میں ایک انسان دوسرے کے عادات و خصائل اور طور طریقہ سے اچھی
طرح واقف ہو سکتا ہے۔ اس واقعیت کا اثر حضرت خدیجہؓ پر یہ پڑتا ہے کہ
ادھر آپ کی زبان سے اپنی نبوت کی خبر نکلتی ہے اور ادھر حضرت خدیجہؓ کا دل
اس کی تصدیق کو آمادہ ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نبوت کے
بارگراں سے گھبراتے ہیں تو حضرت خدیجہؓ تسکین دیتی ہیں کہ ”یا رسول اللہ! خدا
آپ کو ہرگز تنہا نہیں چھوڑے گا کیونکہ آپ قرابت والوں کا حق پورا کرتے ہیں،
مقروضوں کا قرض ادا کرتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر تواضع
کرتے ہیں، حق کی طرف داری کرتے ہیں، مصیبتوں میں آپ لوگوں کے کام آتے
ہیں۔“ (بخاری) غور کیجئے، یہ آپ کی وہ عملی مثالیں ہیں جو نبوت سے پہلے
آپ میں موجود تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں میں حضرت خدیجہؓ کے بعد
سب سے زیادہ محبوب حضرت عائشہؓ تھیں۔ حضرت عائشہؓ نو برس متصل آپ
کی صحبت میں رہیں وہ گواہی دیتی ہیں کہ حضورؐ کی عادت کسی کو بُرا بھلا کہنے کی نہ تھی
آپ بُرائی کے بدلہ میں بُرائی نہیں کرتے تھے بلکہ معاف کر دیتے تھے، آپ گناہ کی
بات سے کوسوں دُور رہتے تھے، آپ نے کبھی کسی سے اپنا بدلہ نہیں لیا۔ آپ نے
کبھی کسی غلام، لونڈی، عورت یا خادِم یہاں تک کہ کسی جانور تک کو بھی نہیں مارا۔ آپ

نے کبھی کسی کی جائز درخواست اور فرمائش کو رد نہیں فرمایا۔

رشتہ داروں میں حضرت علیؑ سے بڑھ کر کوئی آپ کے دن رات کے حالات اور اخلاق سے واقف نہ تھا۔ وہ بچپن سے جوانی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے تھے، وہ گواہی دیتے ہیں کہ ”آپ ہنس مکھ، طبیعت کے نرم اور اخلاق کے نیک تھے۔ طبیعت میں مہربانی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کوئی بُرا کلمہ بھی مُنہ سے نہیں نکالتے تھے، لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو نہیں ڈھونڈھا کرتے تھے، کسی کی کوئی فرمائش اگر مزاج کے خلاف ہوئی تو خاموش رہ جاتے، نہ اس کو صاف جواب دے کر مایوس کر دیتے تھے اور نہ اپنی منظوری ظاہر فرماتے تھے، واقف کار اس انداز خاص سے سمجھ جاتے کہ آپ کا منشاء کیا ہے؟ یہ اس لئے تھا کہ آپ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے، دل شکنی نہیں کرتے تھے بلکہ دلوں پر مہم رکھتے تھے کہ آپ رؤف و رحیم تھے۔“

حضرت علیؑ کہتے ہیں کہ ”آپ نہایت فیاض، بڑے سخی، راست گو، نہایت نرم طبع تھے، لوگ آپ کی صحبت میں بیٹھتے تو خوش ہو جاتے۔ آپ کو پہلی دفعہ جو دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے وہ آپ سے ملتا جاتا آپ کی محبت کرنے لگتا۔ (شمائل ترمذی)

آپ کی سیرت پڑھ کر بعینہ یہی خیال انگلیںڈ کے سب سے مشہور مورخ نگین نے ظاہر کئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے فرزند یعنی حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے صاحبزادہ حضرت ہندؓ جو گویا آپ کے پروردہ تھے، گواہی دیتے ہیں کہ ”آپ کی طبیعت میں نرمی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کسی کا دل نہ دکھاتے تھے، کسی کی عزت کے خلاف کوئی بات نہیں کہتے تھے، کھانا جیسا سامنے آتا کھا لیتے، اُس کو بُرا نہ

کہتے، آپ کو اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہیں آتا تھا نہ کسی سے بدلہ اور انتقام لینے تھے اور نہ کسی کی دشمنی گوارہ کرتے تھے، لیکن اگر کوئی سخت بات کی محنت کرتا، تو حق کی طرفداری میں آپ کو غصہ آجاتا تھا اور اس حق کی آپ پوری حمایت فرماتے تھے۔“ (شمائل)

یہ آپ کے حق میں ان لوگوں کی شہادتیں ہیں جو آپ سے بہت نزدیک اور آپ سے بہت زیادہ واقف تھے، اس سے یہ معلوم ہوگا کہ آپ کی سیرت مبارکہ کی علی حیثیت کیسی بلند تھی۔

آپ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے بحیثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیروؤں کو جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھا دیا۔

آپ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی، صحابہؓ کی زندگی میں اس تلقین کا جو اثر نمایاں ہوا وہ تو الگ چیز ہے، خود آپ کی زندگی کہاں تک اُس کے مطابق تھی، اس پر غور کرو، شب و روز میں کم کوئی ایسا لمحہ تھا جب آپ کا دل اللہ کی یاد سے اور آپ کی زبان اللہ کے ذکر سے غافل ہو، اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، پہنتے اوڑھتے، ہر حالت میں اور ہر وقت اللہ کا ذکر اور اس کی حمد زبان مبارک پر جاری رہتی تھی۔ آج حدیث کی کتابوں کا ایک بڑا حصہ انہی مبارک کلمات اور دعاؤں کے بیان میں ہے جو مختلف حالات اور مختلف وقتوں کی مناسبت سے آپ کی زبان فیض اثر سے ادا ہوئیں حصہ ۱ حصہ ۲ دو سو صفحوں کی کتاب صرف ان کلمات اور دعاؤں کا مجموعہ ہے، جن کے فقرہ فقرہ سے خدا کی محبت عظمت، جلالت اور خشیت نمایاں ہے اور جن سے ہر وقت زبان اقدس تر رہتی تھی، قرآن نے اچھے بندوں کی یہ تعریف کی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُوْدًا
وَعَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر
لیٹے ہر وقت اللہ کو یاد کیا کرتے ہیں۔

یہی آپ کی زندگی کا نقشہ تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، آپ ہر
وقت اور ہر لمحہ اللہ کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔

آپ نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا، مگر خود آپ کا حال کیا تھا۔ عام پیر دوں کو
تو پانچ وقتوں کی نماز کا حکم تھا، مگر خود آپ آٹھ وقت نماز پڑھا کرتے تھے۔ طلوع
آفتاب کے بعد اشراق، کچھ اور دن چڑھنے پر چاشت، پھر ظہر، پھر عصر، پھر غروب
پھر عشاء، پھر تہجد، پھر صبح۔ عام مسلمانوں پر تو صبح کو دو رکعتیں، مغرب کو تین اور
بقیہ اوقات میں چار چار رکعتیں فرض ہیں، کل شب و روز میں سترہ رکعتیں ہیں مگر
آنحضرتؐ ہر روز کم و بیش پچاس ساٹھ رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے۔ بیچ وقتہ نماز
کی فرضیت کے بعد تہجد کی نماز عام مسلمانوں سے معاف ہو گئی تھی، مگر آنحضرتؐ
صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بھی تمام عمر ہر شب ادا فرماتے رہے اور پھر کبسی نماز کہ
رات رات بھر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے، کھڑے کھڑے پائے مبارک میں
درم آجاتا۔ حضرت عائشہؓ عرض کرتیں، اللہ نے تو آپ کو ہر طرح معاف کر دیا
ہے پھر اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں، فرماتے ”اے عائشہؓ! کیا میں خدا
کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔“ یعنی یہ نماز خشیتِ الہی سے نہیں، بلکہ محبتِ الہی اس
کا منشاء ہے، رکوع میں اتنی دیر جھکے رہتے کہ دیکھنے والے کہتے کہ شاید آپ
سجدہ کرنا بھول گئے۔

نبوت کے آغاز ہی سے آپ نماز پڑھتے تھے۔ کفار آپ کے سخت دشمن
تھے مگر بایں ہمہ عین حرم میں جا کر سب کے سامنے نماز پڑھتے تھے، کئی دفعہ نماز
کی حالت میں دشمنوں نے آپ پر حملہ کیا مگر اس پر بھی اللہ کی یاد سے باز نہ آئے۔

سب سے سخت موقع نماز کا وہ ہوتا تھا، جب کفار کی فوجیں مقابل ہوتیں تیرو
 خنجر چلتے ہوتے لیکن ادھر نماز کا وقت آیا اور ادھر صفیں درست ہو گئیں۔ بدر کے
 معرکہ میں تمام مسلمان دشمنوں کے مقابل کھڑے تھے، مگر خود ذات اقدس اللہ
 کے آگے سجدہ میں بھکی ہوئی تھی۔ تمام عمر میں کوئی نماز عموماً اپنے وقت سے نہیں
 ہٹی اور نہ دو وقتوں کے علاوہ کبھی کسی وقت کی نماز قضا ہوئی۔ ایک تو غزوہ
 خندق میں کافروں نے عصر کی نماز کا موقع نہیں دیا، اور ایک دفعہ اور کسی
 غزوہ کے سفر میں رات بھر چل کر صبح کو تمام لوگ سو گئے، تو آپ نے رات کو
 نماز قضا ادا کی۔ اس سے زیادہ یہ کہ مرض موت میں شدت کا بخار تھا، تکلیف
 بہت تھی۔ مگر نماز حتیٰ کہ جماعت بھی ترک نہ ہوئی۔ فوت جواب دے چکی تھی مگر دو
 صحابیوں کے کندھوں پر سہارا دے کر مسجد تشریف لائے، وفات سے تین دن
 پہلے جب آپ نے اٹھنے کا قصد کیا تو غشی طاری ہوئی اور یہی حالت تین دفعہ
 پیش آئی، اس وقت نماز باجماعت ترک ہوئی۔

یہ تھا اللہ کی عبادت گزاری اور یاد کا علمی نمونہ۔

آپ نے روزہ کا حکم دیا، عام مسلمانوں پر سال میں تیس دن کے روزے
 فرض ہیں۔ مگر خود آپ کی کیفیت کیا تھی؟ کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے
 خالی نہیں جاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں ”جب آپ روزے رکھنے پر آتے
 تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی افطار نہ کریں گے۔“ آپ نے مسلمانوں کو دن بھر
 سے زیادہ روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی۔ مگر خود آپ کا یہ حال تھا کہ کبھی دو
 دو تین تین دن بیچ میں کچھ کھائے پئے بغیر متصل روزہ رکھتے تھے اور اس
 عرصہ میں ایک دانہ بھی منہ میں نہیں جاتا تھا۔ صحابہؓ اس کی تقلید کرنا چاہتے،
 تو فرماتے ”تم میں سے کون میرے مانند ہے، مجھ کو تو میرا آقا کھلاتا پلاتا ہے۔“ سال

میں دو مہینے شعبان اور رمضان پورے کے پورے روزوں میں گزرتے۔ ہر مہینہ کے ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵) میں اکثر روزے رکھتے۔ محرم کے دس دن اور شوال کے چھ دن روزوں میں گزرتے، ہفتہ میں دو شنبہ اور جمعرات کا دن روزوں میں بسر ہوتا۔

یہ تھا روزوں کے متعلق آپ کا عملی نقشہ زندگی۔

آپ نے لوگوں کو زکوٰۃ اور خیرات کا حکم دیا تھا تو پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا۔ حضرت خدیجہؓ کی شہادت تم سن چکے ہو کہ انہوں نے کہا ”یا رسول اللہ! آپ قرضداروں کا قرض ادا کرتے ہیں، غریبوں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں،“ گو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب کچھ چھوڑ کر میرے پیچھے آؤ، نہ گھربار لٹا دینے کا حکم فرمایا، نہ آسمان کی بادشاہت کا دروازہ دو تھندوں پر بند کیا، بلکہ صرف یہ حکم دیا کہ اپنی کمائی میں سے کچھ دوسروں کو دے کر اللہ کا حق بھی ادا کرو۔ وَمَنَّا زَقْنَهُمْ يُنْفِقُونَ۔ مگر خود آپ کا عمل یہ رہا کہ جو کچھ آیا اللہ کی راہ میں خرچ ہو گیا۔ غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال و اسباب کی کمی نہ تھی۔ مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا، اپنے لئے کچھ نہ تھا۔ وہی فقر و فاقہ تھا۔ فتح خیبر کے بعد یعنی ۷ھ سے یہ معمول تھا کہ سال بھر کے خرچ کے لئے تمام ازواج مطہرات کو غلہ تقسیم کر دیا جاتا تھا، مگر سال تمام بھی نہیں ہونے پانا تھا کہ غلہ تمام ہو جاتا تھا کیونکہ غلہ کا بڑا حصہ اہل حاجات کے نذر کر دیا جاتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ رمضان المبارک میں فرماتے تھے، تمام عمر کسی سوالی کے جواب میں نہیں کا لفظ نہیں فرمایا، کبھی کوئی چیز تنہا نہیں کھاتے تھے۔ کتنی ہی تھوڑی چیز ہوتی مگر آپ سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے تھے۔

لوگوں کو عام حکم تھا کہ ”جو مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے اس کی اطلاع مجھے دو کہ میں اس کا قرض ادا کروں گا اور اس نے ترکہ چھوڑا ہو تو اُس کے حقدار اس کے وارث ہوں گے۔“ ایک دفعہ ایک بدو نے کہا ”اے محمد! یہ مال نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا ہے میرے اُونٹ پر لا دے“ آپ نے اس کے اُونٹ کو جو اور بھجوروں سے لے دیا اور اس کے کہنے کا بُرا نہ مانا۔ خود فرمایا کرتے۔

”اِنَّا اَنَا قَاسِمٌ وَخَازِنٌ وَاللّٰهُ مِيعُطٌ“ میں تو بانٹنے والے اور خزانچی کی حیثیت رکھتا ہوں، اصل دینے والا تو اللہ ہے۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں آپ کے ساتھ گزر رہا تھا، راہ میں آپ نے فرمایا ”ابوذر! اگر اُحد کا یہ پہاڑ میرے لئے سونا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے، البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لئے کچھ رکھ چھوڑوں۔“

دوستو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف خوشنما الفاظ نہ تھے بلکہ یہ آپ کے عزم صادق کا اظہار تھا اور اسی پر آپ کا عمل تھا۔ بحرین سے ایک دفعہ خراج کا لدا ہوا خزانہ آیا۔ فرمایا کہ صحن مسجد میں ڈال دیا جائے، صبح کی نماز کے لئے آپ تشریف لائے تو دیکھنے والے کہتے ہیں کہ آپ نے خزانہ کے انبار کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا، نماز کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا، جب سب ختم ہو گیا تو دامن جھاڑ کر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ یہ گویا کوئی غبار تھا جو دامن مبارک پر پڑ گیا تھا۔ ایک دفعہ فدک سے چار اونٹوں پر غلہ لے کر آیا، کچھ قرض تھا وہ دیا گیا۔ کچھ لوگوں کو دیا گیا۔ حضرت بلالؓ سے درخت کیا کہ بیج تو نہیں رہا، عرض کی اب کوئی لینے والا نہیں اس لئے بیج رہا ہے فرمایا جب تک دنیا کا یہ مال باقی ہے میں گھر نہیں جاسکتا۔ چنانچہ رات مسجد میں بسر

کی صبح کو حضرت بلال نے آکر بشارت دی کہ ”یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کو سبکدوش کر دیا۔“ یعنی جو کچھ تھا وہ تقسیم ہو گیا۔ آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد خلافت معمول فوراً اندر تشریف لے گئے اور پھر باہر آگئے لوگوں کو تعجب ہوا، فرمایا مجھ کو نماز میں یاد آیا کہ سونے کا چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آجائے اور وہ محمدؐ کے گھر میں پڑا رہ جائے۔ ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ”ایک دفعہ آپ طول اور بنجیدہ اندر تشریف لائے، میں نے سبب دریافت کیا، فرمایا۔ ام سلمہؓ! کل جو سات دینار آئے تھے، شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔“ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ آپ مرض الموت میں ہیں، بیماری کی سخت تکلیف ہے۔ نہایت بے چینی ہے، لیکن اسی وقت یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں، حکم ہوتا ہے کہ ”انہیں خیرات کر دو۔“ کیا محمدؐ اپنے رب سے اس طرح ملے گا کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں۔“

یہ تھی اس باب میں آپ کی زندگی کی علی مثال۔

آپ نے زہد و قناعت کی تعلیم دی، لیکن اس راہ میں آپ کا طرز عمل کیا تھا۔ سُن چکے ہو کہ عرب کے گوشہ گوشہ سے جزیہ، خراج، غنیمت اور زکوٰۃ و صدقات کے خزانے لدے چلے آتے تھے، مگر امیر عرب کے گھر میں وہی فقر تھا اور وہی فاقہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں کہ، حضور اس دنیا سے تشریف لے گئے، مگر دو وقت بھی سیر ہو کر آپ کو کھانا نصیب نہ ہوا وہی بیان کرتی ہیں کہ جب آپ نے وفات پائی تو گھر میں اس دن کے کھانے کے لئے تھوڑے سے جو کے سوا کچھ موجود نہ تھا اور چند سیر جو کے بدلہ میں آپ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں رہن تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ”فرزند

آدم کو ان چند چیزوں کے سوا کسی چیز کا حق نہیں۔ رہنے کو ایک بھونپڑا تن ڈھانچنے کو ایک کپڑا، پیٹ بھرنے کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی (ترمذی) یہ محض الفاظ کی خوشنابندش نہ تھی بلکہ یہی آپ کی طرز زندگی کا عملی نقشہ تھا۔ رہنے کا مکان ایک حجرہ تھا جس میں کچی دیوار اور گھجور کے پتوں اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، آپ کا کپڑا کبھی تہہ کر کے نہیں رکھا جاتا تھا، یعنی جو بدن مبارک پر ہوتا تھا، اس کے سوا کوئی اور کپڑا ہی نہیں ہوتا تھا جو تہہ کیا جاتا۔ ایک دفعہ ایک سائل خدمتِ اقدس میں آیا اور بیان کیا کہ سخت بھوکا ہوں، آپ نے ازواجِ مطہرات کے پاس کہلا بھیجا کہ، کچھ کھانے کو، تو بھیج دیں، ہر جگہ سے یہی جواب آیا کہ ”گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔“ ابو طلحہؓ کہتے ہیں، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہیں اور بھوک کی تکلیف سے کروٹیں بدل رہے ہیں۔ ایک دفعہ صحابہؓ نے آپ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھائے کہ ان پر ایک پتھر بندھا ہے۔ آپ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر بندھے تھے یعنی دو دن سے فاقہ تھا۔ اکثر بھوک کی وجہ سے آوازیں کمزوری اور نقاہت آجاتی تھی، ایک دن دولتانہ سے نکلے تو بھوک کے تھے، حضرت ابوالیوب انصاری کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ نخلستان سے گھجور ٹوڑ لائے اور کھانے کا سامان کیا۔ کھانا جب سامنے آیا تو آپ نے ایک روٹی پر پتھر اُسا گوشت رکھ کر فرمایا، یہ فاطمہ کے گھر بھجوا دو! کئی دن سے اُس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے۔

آپ کو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسنین رضی اللہ عنہما سے بڑی محبت تھی مگر یہ محبت امیر عربؓ نے بیش قیمت کپڑوں اور سوئے چاندی کے زیوروں کے ذریعہ سے ظاہر نہیں فرمائی۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ کا دیا ہوا

ایک سونے کا ہار حضرت فاطمہؑ کے گلے میں دیکھا تو فرمایا: اے فاطمہ! تم کب لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ محمدؐ کی بیٹی گلے میں آگ کا طوق ڈالے ہے، حضرت فاطمہؑ نے اسی وقت وہ طوق اتار کر زچ ڈالا اور اس کی قیمت سے ایک غلام خرید کر آزاد کیا۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے سونے کے کنکرن پہنے، تو اُتر وادیئے کہ محمدؐ کی بیوی کو یہ زیبائیاں نہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ ”انسان کے لئے دنیا میں اتنا ہی کافی ہے جس قدر ایک مسافر کو زور و راہ!“ یہ قول تھا اور عمل یہ تھا کہ ایک دفعہ کچھ جان بٹار ملنے آئے تو دیکھا کہ پہلو میں چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں، عرض کی یا رسول اللہ! ہم لوگ ایک نرم گد اُبن کر حاضر کرنا چاہتے ہیں، فرمایا مجھ کو دنیا سے کیا غرض؟ مجھ کو دنیا سے اسی قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو راستہ چلتے تھوڑی دیر کے لئے کہیں سایہ میں آرام کرتا ہے۔ اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے۔ ۱۹ھ میں جب اسلام کی حکومت یمن سے شام تک پھیلی ہوئی تھی، آپ کے توشہ خانہ کی مالیت یہ تھی، جسم مبارک پر ایک تہبند، ایک ٹکڑی چارپائی، سرہانے ایک تنکیہ جس میں خرے کی پھال بھری تھی، ایک طرف تھوڑے سے جو، ایک کونے میں ایک جانور کی کھال، کھونٹی میں پانی کے مشکیزے۔

یہ تھا زہد و قناعت کی تعلیم کے ساتھ اُس پر آپ کا عمل۔

دوستو! ایشار کا وعظ کہنے والوں کو تم نے بہت دیکھا ہو گا مگر کیا کسی ایشار کے وعظ کہنے والے کے صحیفہ سیرت میں اس کی مثال بھی دیکھی ہے اس کی مثال مدینہ کی گلیوں میں ملے گی۔ آپ نے لوگوں کو ایشار کی تعلیم دی تو ساتھ ہی ان کے سامنے اپنا نمونہ بھی پیش کیا۔ حضرت فاطمہؑ سے آپ کو جو محبت تھی وہ ظاہر ہے، مگر ان ہی حضرت فاطمہؑ کی عسرت اور تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ چلی پیتے پیتے آتھیلیاں گھس گئی تھیں اور مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینہ پر نیل کے داغ پڑ گئے تھے۔ ایک دن

انہوں نے حاضر ہو کر پدربزرگوار سے ایک خادمہ کی خواہش ظاہر کی۔ ارشاد ہوا،
 ”اے فاطمہ! اب تک صفہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا ہے، تو تمہاری درخواست
 کیونکر قبول ہو۔“ دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا ”فاطمہ! بدر کے یتیم تم سے پہلے
 درخواست کر چکے۔“ ایک دفعہ آپ کے پاس چادر نہ تھی، ایک صحابیؓ نے لا کر
 پیش کی۔ اسی وقت ایک صاحب نے کہا، کیسی اچھی چادر ہے۔ آپ نے فوراً
 اتار کر ان کے نذر کر دی، ایک صحابی کے گھر کوئی تقریب تھی، مگر کوئی سامان نہ
 تھا۔ ان سے کہا، عائشہؓ کے پاس جا کر آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ گئے اور
 جا کر لے آئے، حالانکہ آپ کے گھر میں آٹے کے سوا، رات کے کھانے کو کچھ نہ
 تھا۔ ایک دن صفہ کے غریبوں کو لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لائے
 اور فرمایا، جو کچھ کھانے کو ہو لاؤ۔ چونی کا پکا ہوا کھانا حاضر کیا گیا وہ کافی نہ ہوا۔
 کوئی اور چیز طلب کی، تو بھجوا دے کا حریرہ پیش ہوا۔ پھر پیالہ میں دودھ آیا، مگر
 یہی سامان مہمانی کی آخری قسط گھر میں تھی۔

یہ تھا ایثار اور اس پر عمل۔

اللہ پر اعتماد، توکل اور بھروسہ کی شان دیکھنا ہو تو محمد رسول اللہؐ میں دیکھو
 حکم تھا وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرْنَا اَوْ لَوْ اَلْعِزُّمِ مِنَ الرَّسُولِ، جس طرح الوالعزم
 پیغمبروں نے صبر و استقلال دکھایا، تو بھی دکھا۔ آپ نے وہی کر کے دکھایا۔
 آپ ایک ایسی جاہل اور ان پڑھ قوم میں پیدا ہوئے تھے جو اپنے معتقدات کے
 خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی تھی اور اس کے لئے مرنے مارنے پر تیار
 ہو جاتی تھی، مگر آپ نے اُس کی کبھی پروا نہ کی، عین حرم میں جا کر توحید کی آواز
 بلند کرتے تھے، اور وہاں سب کے سامنے نماز ادا کرتے تھے، حرم محترم کا صحن
 قریش کے رئیسوں کی نشست گاہ تھا، آپ ان کے سامنے کھڑے ہو کر رکوع و

سجود کرتے تھے۔ جب آیت فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (اے محمد! جو تم کو حکم دیا جاتا ہے، اُس کو علی الاعلان سُنادو) نازل ہوئی، تو آپ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر تمام قریش کو بیکار اور اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچایا۔

قریش نے آپ کے ساتھ کیا کیا نہ کیا، کس کس طرح اذیتیں نہیں پہنچائیں! جسم مبارک پر صحن حرم کے اندر نجاست ڈالی، گلے میں چادر ڈال کر پھانسی دینے کی کوشش کی، راستہ میں کانٹے بچھائے، مگر آپ کے قدم کو راہ حق سے لغزش نہ ہوئی تھی نہ ہوئی۔ ابوطالب نے جب حمایت سے ہاتھ اٹھالیئے کا اشارہ کیا تو آپ نے کس جوش اور ولولہ سے فرمایا کہ ”چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب بھی رکھ دیں، تب بھی میں اس فرض سے باز نہ آؤں گا۔ آخر آپ کو مع بنی ہاشم کے پہاڑی ددہ میں تین سال تک گویا قید رکھا گیا، آپ کا اور آپ کے خاندان کا مقاطعہ کیا گیا۔ اندر غلہ جانے کی روک تھام کی گئی، بچے بھوک سے بلبلاتے تھے۔ جوان درخت کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کرتے تھے۔ آخر آپ کے قتل کی سازش ہوئی۔ یہ سب کچھ ہوا مگر صبر و استقلال کا سر رشتہ آپ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ ہجرت کے وقت غارِ ثور میں پناہ لیتے ہیں کفار آپ کا پیچھا کرتے ہوئے غار کے مُنہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ بے یار و مددگار نہتے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ادرتِ قریش کے درمیان چند گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے، ابو بکرؓ گھبرا اٹھتے ہیں کہ، یا رسول اللہ! ہم دو ہی ہیں، لیکن ایک تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے ابو بکرؓ ہم دونوں تین ہیں لَا تَحْزَنُ إِنَّ اللَّهَ مَعَنا۔ گھبراؤ نہیں ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اسی ہجرت کے زمانہ میں اثنائے راہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لئے سراقہ بن جشم نیزہ ہاتھ میں لئے گھوڑا دوڑاتا ہوا آپ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں رسول اللہ!

ہم پکڑ لئے گئے۔ مگر وہاں محمد رسول اللہ کے لب بدستور قرآن خوانی میں مصروف ہیں اور دل کی سکینت کا وہی عالم ہے۔

مدینہ پہنچ کر یہود کا، منافقین کا اور قریش کے غارت گروں کا ڈر تھا۔ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکن کارانوں کو پہرہ دیتے تھے، کہ ایک دفعہ یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاللّٰهُ يُعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ یعنی اللہ تجھ کو لوگوں سے بچائے گا۔ اس وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر پہرے کے سپاہیوں سے فرمایا۔ لوگو! واپس جاؤ مجھے چھوڑ دو کہ میری حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ نے لے لی ہے۔

غزوہٴ نجد سے واپسی میں آپ ایک درخت کے نیچے آرام فرماتے ہیں صحابہؓ ادھر ادھر ہٹ گئے، ایک بدو تلوار کھینچ کر سامنے آتا ہے۔ آپ بیدار ہوتے ہیں موقع کی نزاکت کو دیکھو۔ بدو پوچھتا ہے ”بتاؤ اے محمدؐ! اب کون تم کو میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے؟“ اطمینان اور تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے کہ ”اللہ“ اس پر اثر جواب سے دشمن متاثر ہو جاتا ہے اور تلوار نیام میں پھینچ جاتی ہے۔

بدو کا معرکہ ہے تین سو ہتھے مسلمان، ایک ہزار لوہے میں غرق قریشی لشکر سے نبرد آزما ہیں۔ مگر ان تین سو سپاہیوں کا سپہ سالار خود کہاں ہے؟ معرکہ کارزار سے الگ اللہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہے، کبھی پیشانی زمین پر ہوتی ہے اور کبھی ہاتھ آسمان کی جانب اٹھتے ہیں کہ ”لے اللہ! اگر آج یہ چھوٹی ٹہنی جماعت صفحہٴ عالم سے مٹ گئی تو پھر کوئی تیرا پرستار اس دنیا میں باقی نہ رہے گا۔ ایسے موقع بھی آئے ہیں کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ پیچھے ہٹ گئے مگر اللہ کی نصرت اور مدد پر اعتماد کامل اور پورا بھروسہ رکھنے والا، پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہا۔ اُحد میں اکثر مسلمانوں نے قدم پیچھے ہٹائے، مگر

محمد رسول اللہؐ اپنی جگہ پر تھے، پتھر کھائے، تیروں، تلواروں اور نیزوں کے حملے ہو رہے تھے، خود کی کڑیاں رخسار مبارک میں دھنس گئی تھیں، داندان مبارک شہید ہو چکا تھا، چہرہ اقدس زخمی ہو رہا تھا۔ مگر اس وقت بھی اپنا ہاتھ لوہے کی تلوار پر نہیں رکھا، بلکہ اللہ ہی کی نصرت پر بھروسہ اور اعتماد رہا، کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا پورا یقین تھا۔ حنین کے میدان میں ایک دفعہ دش ہزار تیروں کا جب میخہ برسا تو تھوڑی دیر کے لئے مسلمان پیچھے ہٹ گئے، مگر ذات اقدس اپنی جگہ پر تھی، ادھر سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور ادھر سے ”أَنَا لَنَجِي زَكَاةً، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ“ (میں پیغمبر ہوں بھوٹ نہیں ہے، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں) کا نعرہ بلند تھا، سواری سے نیچے اتر آئے اور فرمایا میں اللہ کا بندہ اور پیغمبر ہوں اور دُعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

عزیزو! تم کو کسی اور ایسے سپہ سالار کا حال بھی معلوم ہے، جس کی بہادری اور استقلال کا یہ عالم ہو کہ فوج کتنی ہی کم ہو، کتنی ہی غیر مسلح ہو، وہ اس کو چھوڑ کر پیچھے بھی کیوں نہ ہٹ گئی ہو، مگر وہ نہ تو اپنی جان کے بچانے کے لئے بھاگتا ہے اور نہ اپنی حفاظت کے لئے تلوار اٹھاتا ہے، بلکہ ہر حال میں زمین کی طاقتوں سے غیر مسلح ہو کر، آسمان کی طاقتوں سے مسلح ہونے کی درخواست کرتا ہے۔ یہ بھی اس راہ میں آپ کی مثال۔

تم نے دشمنوں کو پیار کرنے کا وعظ سنا ہوگا، لیکن اس کی عملی مثال نہیں دیکھی ہوگی۔ آؤ مدینہ کی سرکاریں میں تم کو دکھاؤں، مکہ کے حالات چھوڑنا ہوں کہ میرے نزدیک محکومی، بیکیسی اور معذوری، عفو و درگزر اور رحم کے ہم معنی نہیں ہے۔ ہجرت کے وقت قریش کے رئیس یہ اشتہار دیتے ہیں کہ جو محمدؐ کا

سر قلم کر لائے گا، اس کو سٹو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ سراقہ بن جہشم اس انعام کے لالچ میں مسلح ہو کر آپ کے تعاقب میں گھوڑا ڈالتا ہے، قریب پہنچ جاتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ گھبرا جاتے ہیں، حضورؐ دُعا کرتے ہیں، تین دفعہ گھوڑے کے پاؤں دھنس جاتے ہیں۔ سراقہ تیر کے پانسے نکال کر فال دیکھتا ہے، ہر دفعہ جواب آتا ہے کہ ان کا پیچھا نہ کرو۔ نفسی، یعنی سائیکولا جیکل حیثیت سے سراقہ مرعوب ہو چکتا ہے واپسی کا عزم کر لیتا ہے، حضورؐ کو آواز دیتا ہے اور خطا مان کی درخواست کرتا ہے کہ جب حضورؐ کو خدا قریش پر غالب کرے تو مجھ سے باز پرس نہ ہو، آپ یہ امان نامہ لکھو اگر اس کے حوالے کرتے ہیں، فتح مکہ کے بعد وہ اسلام لانا ہے۔ تاہم آپ اُس سے یہ نہیں پوچھتے کہ سراقہ تمہارے اُس دن کے جرم کی اب کیا سزا ہو؟

ابوسفیان کون ہے؟ وہ جو بدر، احد، خندق وغیرہ لڑائیوں کا سرغنہ تھا۔ جس نے کتنے مسلمانوں کو نہ تیغ کرایا، جس نے کتنی دفعہ خود حضورؐ سرور عالم کے قتل کا فیصلہ کیا جو ہر قدم پر اسلام کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا لیکن فتح مکہ سے پہلے جب حضرت عباسؓ کے ساتھ آپ کے سامنے آتا ہے تو لوگو اس کا ہر جرم اس کے قتل کا مشورہ دیتا ہے مگر رحمتِ عالم کا عفو عام ابوسفیان سے کہتا ہے کہ ڈر کا مقام نہیں۔ محمد رسول اللہ انتقام کے جذبہ سے بالاتر ہیں، پھر حضورؐ نہ صرف اس کو معاف فرماتے ہیں بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں من دخل دار ابی سفیان کان امناً (جو ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا اس کو بھی امن ہے)۔

ہند، ابوسفیان کی بیوی، وہ ہند جو احد کے معرکہ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ گاگا کر قریش کے سپاہیوں کا دل بڑھاتی ہے، وہ جو حضورؐ کے سب سے محبوب چچا اور اسلام کے ہیر و حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ بے ادبی کرتی ہے

ان کے سینہ کو چاک کرتی ہے، ان کے کان ناک کاٹ کر ہار بناتی ہے، کچھ کو نکال کر چبانا چاہتی ہے لڑائی کے بعد اس منظر کو دیکھ کر آپ بیتاب ہو جاتے ہیں، وہ فتح مکہ کے دن نقاب پوش سامنے آتی ہے اور یہاں بھی گستاخی سے باز نہیں آتی، لیکن حضورؐ پھر بھی کچھ تعرض نہیں فرماتے ہیں اور یہ بھی نہیں پوچھتے کہ تم نے یہ کیوں کیا۔ عفو عام کی اس معجزانہ مثال کو دیکھ کر وہ پکار اٹھتی ہے ”اے محمدؐ آج سے پہلے تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے مجھے نفرت نہ تھی، لیکن آج تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی کا خیمہ مجھے محبوب نہیں ہے۔“

وحشی حضرت حمزہؓ کا قاتل فتح طائف کے بعد بھاگ کر کہیں چلا جاتا ہے اور جب وہ مقام بھی فتح ہو جاتا ہے تو کوئی دوسری جائے پناہ نہیں ملتی۔ لوگ کہتے ہیں ”وحشی تم نے ابھی محمدؐ کو پہچانا نہیں، تمہارے لئے خود محمدؐ کے آستانہ سے بڑھ کر کوئی دوسری جائے امن نہیں ہے۔“ وحشی حاضر ہو جاتا ہے حضورؐ دیکھتے ہیں، آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں، پیارے چچا کی شہادت کا منظر سامنے آ جاتا ہے، آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، قاتل سامنے موجود ہے مگر صرف یہ ارشاد ہوتا ہے ”وحشی جاؤ میرے سامنے نہ آیا کرو، کہ شہید چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔“

عکرمہؓ، اسلام، مسلمانوں اور خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے دشمن یعنی ابوجہل کے بیٹے تھے۔ جس نے آپ کو سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں، وہ خود بھی اسلام کے خلاف لڑائیاں لڑ چکے تھے مگر جب مکہ فتح ہوا تو ان کو اپنے اور اپنے خاندان کے تمام جرم یاد تھے، وہ بھاگ کر مین چلے گئے، ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں، اور محمد رسول اللہؐ کو پہچان چکی تھیں، وہ خود مین گئیں عکرمہؓ کو تسکین دی اور ان کو لے کر مدینہ آئیں حضورؐ کو ان کی

آمد کی خبر ہوتی ہے، تو ان کے خیر مقدم کے لئے اس نیزی سے اٹھتے ہیں کہ جسم مبارک پر چادر تک نہیں رہتی، پھر جوش مسرت میں فرماتے ہیں مرحبا بالزاکب المہاجر لے مہاجر سوار تمہارا آنا مبارک۔ غور کرو! یہ مبارک باد کس کو دی جا رہی ہے، یہ خوشی کس کے آنے پر ہے، یہ معافی نامہ کس کو عطا ہو رہا ہے، اس کو جس کے باپ نے آپ کو مکہ میں سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں جس نے آپ کے جسم مبارک پر نجاست ڈلوائی، جس نے بحالت نماز آپ پر حملہ کرنا چاہا جس نے آپ کے گلے میں چادر ڈال کر آپ کو پھانسی دینی چاہی، جس نے دارالندوہ میں آپ کے قتل کا مشورہ دیا۔ جس نے بدر کا معرکہ برپا کیا اور ہر قسم کی صلح کی تدبیر کو برہم کیا، آج اس کی جسمانی یادگار کی آمد پر یہ مسرت اور شادمانی ہے۔

ہبیار بن الاسود وہ شخص ہے جو ایک حیثیت سے حضرت کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا قاتل ہے اور کئی شرارتوں کا مرتکب ہو چکا ہے، مکہ کی فتح کے موقع پر اس کا خون ہدر کیا جاتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ بھاگ کر ایران چلا جائے لیکن پھر کچھ سوچ کر سیدھا در دولت پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے یا رسول اللہ میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا ہوں، لیکن پھر مجھے حضور کا رحم و کرم اور عفو و حلم یاد آیا، میں حاضر ہوں، میرے جرائم کی جو اطلاعیں آپ کو ملی ہیں وہ سب درست ہیں، اتنا سنتے ہی آپ کی رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور دوست و دشمن کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔

عمیر بن وہب بدر کے بعد ایک قریشی رئیس کی سازش سے اپنی تلوار زہر میں گچھا کر مدینہ آتا ہے اور اس تاک میں رہتا ہے کہ موقع پا کر نوحہ باللہ آپ کا کام تمام کر دے کہ ناگاہ وہ گرفتار ہو جاتا ہے، آپ کے پاس لایا جاتا ہے اس کا گناہ ثابت ہو جاتا ہے، مگر وہ رہا کر دیا جاتا ہے۔

صفوان بن اُمیہ یعنی وہ رئیس جس نے عمیر کو آپ کے قتل کے لئے بھیجا تھا اور جس نے عمیر سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس مہم میں مارے گئے تو تمہارے اہل و عیال اور قرضہ کا میں ذمہ دار ہوں، فتح مکہ کے بعد وہ ڈر کر جدہ بھاگ جاتا ہے کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلا جائے۔ وہی عمیر خدمت نبوی میں آکر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! صفوان اپنے قبیلہ کا رئیس ڈر کی وجہ سے بھاگ گیا ہے کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دے۔ ارشاد ہوتا ہے ”اس کو امان ہے۔“ عمیر دوبارہ گزارش کرتے ہیں کہ اس امان کی کوئی نشانی مرحمت ہو کہ اس کو یقین آئے۔ آپ اپنا عمامہ اٹھا کر دیدیتے ہیں۔ عمیر یہ عمامہ لے کر صفوان کے پاس پہنچتے ہیں، صفوان کہتا ہے ”مجھے محمدؐ کے پاس جانے میں اپنی جان کا خطرہ ہے۔“ وہ عمیر جو زہر میں تلوار چبھا کر محمدؐ رسول اللہؐ کو مارنے گئے تھے، صفوان سے کہتے ہیں ”اے صفوان! ابھی تم کو محمدؐ رسول اللہؐ کے حلم اور عفو کا حال معلوم نہیں ہے۔“ صفوان آستانہ نبویؐ پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم نے مجھے امان دی ہے، کیا یہ سچ ہے؟ لیکن میں تمہارا دین ابھی قبول نہیں کروں گا، مجھے دو چھینے کی مہلت دو۔ آپ فرماتے ہیں۔ تمہیں دو نہیں چار چھینے کی مہلت ہے لیکن یہ مہلت ختم بھی نہ ہونے پائی کہ دفعۃً اس کے دل کی کیفیت بدل جاتی ہے اور وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔

آپ خیر جاتے ہیں جو یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز ہے لڑائیاں ہوتی ہیں شہر فتح ہوتا ہے ایک یہودیہ دعوت کرتی ہے، آپ بلا پس و پیش منظور فرماتے ہیں، یہودیہ جو گوشت پیش کرتی ہے اس میں زہر ملا ہوتا ہے، آپ گوشت کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہیں کہ آپ کو اطلاع ہو جاتی ہے یہودیہ بلائی جاتی ہے، وہ اپنے قصو کا اعتراف کرتی ہے لیکن رحمتِ عالم کے دربار سے اس کو کوئی سزا نہیں ملتی

حالانکہ اس زہر کا اثر آپ کو اس کے بعد عمر بھر محسوس ہوتا رہا۔

غزوہٴ نجد سے واپسی کے وقت آپ تنہا ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں، دوپہر کا وقت ہے، آپ کی تلوار درخت سے لٹک رہی ہے، صحابہؓ اُدھر اُدھر درختوں کے سایہ میں لیٹے ہیں، کوئی پاس نہیں ہے، ایک بدو تاک میں رہتا ہے، وہ اس وقت سیدھا آپ کے پاس آتا ہے، درخت سے آپ کی تلوار اتارتا ہے پھر نیام سے باہر کھینچتا ہے، کہ آپ کی آنکھ کھل جاتی ہے، وہ تلوار ہلا کر پوچھتا ہے ”محمد! بتاؤ اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے“ ایک پُر اطمینان صدا آتی ہے کہ ”اللہ!“ اس غیر متوقع جواب کو سن کر وہ مرعوب ہو جاتا ہے تلوار نیام میں کر لیتا ہے، صحابہؓ آجاتے ہیں، بدو بیٹھ جاتا ہے اور آپ اس سے کوئی تعرض نہیں فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ اور ایک کافر گرفتار ہو کر آتا ہے، کہ یہ قتل کے لئے آپ کی گھات میں تھا، وہ سامنے پہنچتا ہے تو آپ کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے، آپ اس کو تسلی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم قتل کرنا چاہتے بھی تب بھی نہیں کر سکتے تھے۔ غزوہٴ مکہ میں اسی آدمیوں کا دستہ گرفتار ہوا جو جبلِ نعیّم سے اتر کر آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ آپ کو خبر ہوئی تو فرمایا، ان کو چھوڑ دو۔

دوستو! طائف کو جانتے ہو، وہ طائف جس نے مکہ کے عہدِ ستم میں آپ کو پناہ نہیں دی، جس نے آپ کی بات بھی سنی نہیں چاہی۔ جہاں کے رئیس عبدِ گیل کے خاندان نے آپ سے استہزاء کیا، بازار یوں کو اشارہ کیا کہ وہ آپ کی ہنسی اڑائیں۔ شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور دُورِ وہ کھڑے ہو گئے، اور جب آپ پینچ سے گزرے تو دونوں طرف سے پتھر برسائے، یہاں تک کہ پائے مبارک زخمی ہو گئے، دونوں جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ جب آپ تھک کر بیٹھ جاتے تو یہ

شریر آپ کا بازو پکڑ کر اٹھا دیتے۔ جب آپ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن اس قدر تکلیف پہنچی تھی کہ نو برس کے بعد جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن دریافت فرمایا کہ ”یا رسول اللہ! تمام عمر میں آپ پر سب سے زیادہ سخت دن کونسا آیا؟“ تو آپ نے اسی طائف کا حوالہ دیا تھا۔ اس میں مسلمانوں کی فوج اسی طائف کا محاصرہ کرتی ہے، ایک مدت تک محاصرہ جاری رہتا ہے قلعہ نہیں فتح ہوتا، بہت سے مسلمان شہید ہوتے ہیں۔ آپ واپسی کا ارادہ کرتے ہیں، پر جوش مسلمان نہیں مانتے، طائف پر بڑھا کرنے کی درخواست کرتے ہیں، آپ ہاتھ اٹھاتے ہیں، مگر کیا فرماتے ہیں ”اے اللہ! طائف کو ہدایت کر اور اس کو اسلام کے آستانے پر بٹھکا۔“ دوستو! یہ کس شہر کے حق میں دُعائے خیر ہے، وہی شہر جس نے آپ پر پتھر برسائے تھے، آپ کو زخمی کیا تھا اور آپ کو پناہ دینے سے انکار کیا تھا۔

اُحد کے غزوہ میں دشمن حملہ کرتے ہیں، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں، آپ نزعہ اعدا رہیں ہوتے ہیں، آپ پر پتھر، تیر اور تلوار کے وار ہو رہے ہیں، زندہ مبارک شہید ہوتا ہے، خود کی کڑیاں رخسار مبارک میں گڑ جاتی ہیں، چہرہ مبارک خون سے رنگین ہوتا ہے، اس حالت میں بھی آپ کی زبان پر یہ الفاظ آتے ہیں ”وہ قوم کیسے نجات پائے گی جو اپنے پیغمبر کے قتل کے درپے ہے، اے اللہ! میری قوم کو ہدایت کر کہ وہ جانتی نہیں ہے۔“ یہ ہے ”تو اپنے دشمن کو پیار کر“ کے زیتونی وعظ پر عمل! جو صرف شاعرانہ فقرہ نہیں، بلکہ عمل کا خطرناک نمونہ ہے۔

دہی ابن عبدیلیل جس کے خاندان نے طائف میں آپ کے ساتھ بیظالم کئے تھے، جب طائف کا وفد لے کر مدینہ آتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنی مقدس مسجد میں خیمہ گاڑ کر اتارتے ہیں۔ ہر روز نماز عشاء کے بعد اس

کی ملاقات کو جاتے ہیں اور اپنی رنج بھری مکہ کی داستان سناتے ہیں، کس کو؟
اُس کو جس نے آپ پر پتھر برسائے تھے اور آپ کو ذلیل کیا تھا۔ ”یہ ہے تو اپنے
دشمن کو پیار کر اور معاف کر۔“

مکہ جب فتح ہوا تو حرم کے صحن میں کس حرم کے صحن میں جہاں آپ کو گالیاں
دی گئیں، آپ پر بنجاستیں پھینکی گئیں، آپ کے قتل کی تجویز منظور ہوئی، قریش
کے تمام سردار مفتوحانہ کھڑے تھے، ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں ایڑی چوٹی
کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کو جھٹلایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کی ہجوئیں کہا کرتے
تھے، وہ بھی تھے جو آپ کو گالیاں دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو خود اس پیکر قدسی کیساتھ گستاخوں کا
حوصلہ رکھتے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ پر پتھر پھینکے تھے، آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے،
آپ پر تلواریں چلائی تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے عزیزوں کا خون ناحق کیا
تھا، ان کے سینے چاک کئے تھے اور ان کے دل و جگر کے ٹکڑے کئے تھے، وہ بھی
تھے جو غریب اور بیکیں مسلمانوں کو ستاتے تھے اُن کے سینوں پر اپنی جفاکاری کی
آتشیں مہریں لگاتے تھے۔ ان کو جلتی ریتوں پر لٹاتے تھے، دہکتے کونلوں سے
اُن کے جسم کو داغتے تھے، نیزوں کی انی سے اُن کے بدن کو چھیدتے تھے۔ آج یہ
سب مجرم سرنگوں سامنے تھے پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں محمد رسول اللہ
کے ایک اشارہ کی منتظر تھیں، دفعۃً زبان مبارک کھلتی ہے، سوال ہوتا ہے،
”قریش! بتاؤ، میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟“ جواب ملتا ہے ”محمد
تو ہمارا شریف بھائی اور شریف بھیتجا ہے۔“ ارشاد ہوتا ہے، آج میں وہی کہتا
ہوں جو یوسف نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا کہ لَا تَشْرِیْبَ عَلَیْکُمْ
الْیَوْمَ آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں اِذْ هَبُوا فَاَنْتُمْ اُطْلَقْتُمْ جَاوِزِم
سب آزاد ہو۔

یہ ہے دشمنوں کو پیار کرنا اور معاف کرنا۔ یہ ہے اسلام کے پیغمبر کا علی نمونہ اور علی تعلیم، جو صرف خوش بیانیوں اور شیریں زبانیوں تک محدود نہیں بلکہ دنیا میں واقعہ اور عمل بن کر ظاہر ہوتی ہے۔

یہی نکتہ ہے جس کے باعث تمام دوسرے مذاہب اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں کے میٹھے میٹھے الفاظ کی طرف دنیا کو بٹلاتے ہیں، اور بار بار ان ہی کو دہراتے ہیں کہ ان کے سوا ان کے پاس کوئی چیز نہیں، اور اسلام اپنے پیغمبر کے صرف الفاظ نہیں بلکہ عمل اور سنت کی دعوت دیتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا،

ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ و سنتی۔
میں تم میں دو مرکز ثقل چھوڑ جاتا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنا علی راستہ۔

یہی دونوں مرکز ثقل اب تک قائم ہیں اور تا قیامت قائم رہیں گے اسی لئے اسلام کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اپنے پیغمبر کی سنت کی پیروی کی بھی دعوت دیتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (لوگو! تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین پیروی ہے۔)

اسلام خود اپنے پیغمبر کو اپنی کتاب کا علی مجسمہ، نمونہ اور پیکر بنا کر پیش کرتا ہے، تمام دنیا میں یہ فخر صرف اسلام کے پیغمبر کو حاصل ہے کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال پیش کرتا ہے، طریقہ نماز کے ناواقف سے کہتا ہے صلوٰۃ کما رأیتونی فی تم اس طرح اللہ کی نماز پڑھو جس طرح مجھ پڑھتے دیکھتے ہو، بیوی بچوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی تعلیم ان الفاظ میں دیتا ہے، خیرکم خیرکم لاہلہ وانا خیرکم لاہلی تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے

بیوی بچوں کے لئے سب سے اچھا ہے، اور میں اپنی بیوی بچوں کے لئے تم سب سے اچھا ہوں، آخری حج کا موقع ہے۔ شمع نبوت کے گرد ایک لاکھ پروانوں کا ہجوم ہے، انسانوں کو اللہ کا آخری پیغام سنایا جا رہا ہے سب کے باطل رسوم اور نہ ختم ہونے والی لڑائیوں کا سلسلہ آج توڑا جا رہا ہے مگر تعلیم کے ساتھ ساتھ دیکھو کہ اپنی ذاتی نظیر اور عملی مثال بھی ہر قدم پر پیش کی جا رہی ہے، فرمایا:

”آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کر دیئے گئے یعنی تم سب ایک دوسرے کے قاتلوں کو معاف کر دو! اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون اپنے بھتیجے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرنا ہوں۔“

”جاہلیت کے تمام سودی لین دین اور کاروبار آج باطل کئے جاتے ہیں، اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کا سودی بیوپار توڑنا ہوں۔“

جان اور مال کے بعد تیسری چیز آبرو ہے، وہ غلط اور قابل اصلاح رسوم و رواج جن کا تعلق لوگوں کی عزت اور آبرو سے ہوتا ہے، ان کو سب سے پہلے عملاً مٹانے کی ہمت گویا بظاہر اپنی بے عزتی اور بے آبروئی کے ہم معنی ہے، اسی لئے ملک کے بڑے بڑے مصلحین کے پاؤں بھی کسی ملکی رسم و رواج کی عملی اصلاح کی جرأت مشکل سے کرتے ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مساوات کی تعلیم دی۔ عرب میں سب سے زیادہ ذلیل غلام سمجھے جاتے تھے۔ آپ نے مساوات، اخوت انسانی اور جنس انسانی کی برابری کی یہ عملی مثال پیش کی ایک غلام کو اپنا فرزند بتائی بنایا، عرب میں قبائل کی باہمی شرافت کی زیادتی اور کی کا اس درجہ لحاظ تھا کہ لڑائی میں بھی اپنے سے کم رتبہ پر تلوار چلانا عار سمجھا جاتا تھا کہ ذلیل خون اس کی

شریف تلوار کو ناپاک نہ کر دے، لیکن آپ نے آج یہ اعلان کیا کہ، اے لوگو! تم سب آدم کے بیٹے ہو، اور آدم مٹی سے بنا تھا، کالے کو گورے پر، گورے کو کالے پر، عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، تم میں افضل وہ ہے جو اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ تو اس تعلیم نے دفعۃً بلند و پست، بالا و زیر، اعلیٰ و ادنیٰ، آقا و غلام، سب کو ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا لیکن ضرورت تھی علی مثالوں کی، یہ مثال خود آپ نے پیش کی۔ اپنی بھوپھی زاد بہن کو جو قریش کے شریف خاندان سے تھیں، اپنے غلام سے بیابا۔ منہ بولے بیٹے کا قاعدہ جب اسلام میں توڑا گیا تو سب سے پہلے زید بن محمد، زید بن حارثہ کہلائے، منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح عرب میں ناجائز تھا، مگر چونکہ یہ محض ایک لفظی رشتہ تھا، جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہ تھا اور اس رسم سے بہت سی خاندانی رقابتوں اور خرابیوں کی بنیاد عربوں میں قائم ہو گئی تھی، اس لئے اس کا توڑنا ضروری تھا، لیکن اس کے توڑنے کے لئے علی مثال پیش کرنا، انسان کی سب سے عزیز چیز آبرو سے تعلق رکھتا تھا جو سب سے مشکل کام تھا۔ پیغمبر عرب نے آگے بڑھ کر خود کو اس کی مثال پیش کی اور زید بن حارثہ کی مطلقہ بیوی حضرت زینب سے شادی کر لی، جب ہی سے یہ رسم عرب سے ہمیشہ کے لئے مٹ گئی اور متبی کی یہودہ رسم سے ملک نے نجات پائی۔

واقعات کی انتہا نہیں ہے، مثالوں کی کمی نہیں ہے، مگر وقت محدود ہے اور آج شاید میں نے سب سے زیادہ آپ کا وقت لیا ہے۔

میرے دوستو! میرے معروضات کی روشنی میں آدم سے لے کر عیسیٰ تک اور شام سے لے کر ہندوستان تک ہر ایک تاریخی انسان کی مصلحانہ زندگی پر ایک نظر ڈالو، کیا ایسی علمی ہدایتوں اور کامل مثالوں کا کوئی نمونہ کہیں نظر آتا ہے؟

حاضرین! چند لفظ اور!

بعض شریر بیان واعظ شاعرانہ پیرائے میں اپنے ”اللہ تعالیٰ کی ربانی محبت اور الہی عشق کا تذکرہ کرتے ہیں مگر انہی کے مقولہ کے مطابق کہ ”درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اس پاک عشق و محبت کا کیا اثر ان کی زندگی میں نمایاں تھا۔ عرب کے دعویدار محبت کی سیرت پر ٹھو، راتیں گزرتی ہیں، دنیا سوتی ہے اور اس کی آنکھیں جاگتی ہیں، ہاتھ اللہ کے آگے پھیلتے ہیں، زبان ترانہ حمد گارہی ہے، دل پہلو میں بیتاب تڑپ رہا ہے اور آنکھوں سے آنسوؤں کے تار جاری ہیں، کیا محبت کی یہ تصویر ہے یا وہ ہے؟

حضرت عیسیٰؑ سولی پر چڑھتے ہیں، تو بیتابانہ زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں ایلی ایلی لہا سبقتنی ”اے میرے اللہ! اے میرے اللہ! تو نے مجھ کو کیوں بھوڑ دیا۔“ لیکن محمد رسول اللہؐ جب موت کے بستر پر ہوتے ہیں اور زندگی کی آخری سانسیں لیتے ہوتے ہیں تو زبان پر یہ کلمہ ہوتا ہے، اَللّٰهُمَّ الرَّفِیقُ الْاَعْلٰی، اے میرے اللہ! اے میرے بہترین ساتھی! ان دونوں فقروں میں سے کس میں محبت کا ذائقہ، عشق کی چاشنی اور ربانی سکینیت کا لطف ہے؟

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَعَلَیْ سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ۔

سَاتُواں خُطْبہ

پیغمبر اسلام علیہ السلام کا پیغام

حضرات! میں نے پچھلے چھ لکچروں میں دلائل اور تاریخ کی روشنی میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسانوں کے تمام بلند طبقوں میں سے صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتیں تقلید اور پیروی کے لائق ہیں اور ان میں سے عالمگیر اور دائمی نمونہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ اس مقام پر جب یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی عالمگیر اور دائمی نمونہ ہیں، تو سوال ہوتا ہے کہ ان کی عالمگیر اور دائمی تعلیم کیا ہے؟ وہ دنیا کو کیا پیغام دینے آئے اور کیا پیغام دے کر دنیا سے تشریف لے گئے؟ ان کے پیغام کے وہ کون سے ضروری اجزاء ہیں جن کے ادا کرنے کے لئے اس پیغمبر آخر الزمان کی ضرورت پیش آئی؟ دنیا میں دوسرے پیغمبروں کے ذریعہ سے جو پیغام آئے ان کی کس طرح اس آخری پیغام نے تصحیح اور تکمیل کی؟

ہم کو تسلیم ہے کہ دنیا میں وقتاً فوقتاً انبیاء کے ذریعہ سے پیغام آتے رہے مگر جیسا کہ بار بار کہا جا چکا ہے، اور واقعات کی روشنی میں دکھایا جا چکا ہے وہ تمام پیغام کسی خاص زمانہ اور قوم کے لئے آیا کئے، اور وقتی تھے اور اس لئے ان کی دائمی حفاظت کا سامان نہ ہوا، اس کی اصل برباد ہو گئی، مدتوں کے بعد

مرتب کئے گئے اور ان میں تحریفیں کی گئیں، ان کے ترجموں نے ان کو کچھ سے کچھ بنا دیا، ان کی تاریخی سند کا ثبوت نہیں باقی رہا، بہت سے جعلی پیغام ان میں شریک کئے گئے اور یہ سب چند سو برس کے اندر ہو گیا۔ اگر اللہ کا کام مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے تو ان کا مٹنا اور برباد ہو جانا ہی ان کے وقتی فرمان اور عارضی تعلیم ہونے کا ثبوت ہے، مگر جو پیغام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا وہ عالمگیر اور دائمی ہو کر آیا، اسی لئے وہ جب سے آیا اب تک پوری طرح محفوظ ہے اور رہے گا، کیونکہ اس کے بعد پھر کوئی نیا پیغام آنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی گزشتہ پیغام کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ اس کی تکمیل ہو چکی اور اس کی حفاظت کا ذمہ دار میں ہوں۔ دنیا کے تمام وہ صحیفے جو گم ہو چکے ان کا گم ہو جانا ہی ان کے وقتی اور عارضی ہونے کی دلیل ہے اور جو موجود ہیں ان کی ایک ایک آیت تلاش کرو، ان کی تکمیل اور ان کی حفاظت کے وعدہ کے متعلق ایک حرف نہ پاؤ گے، بلکہ اس کے خلاف ان کے نقص کے اشارے اور تصریحیں ملیں گی۔

حضرت موسیٰؑ کہتے ہیں کہ ”خداوند تیرا خدا تیرے درمیان تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی طرف کان دھو“ (استثنا: ۱۵، ۱۸) ”میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالوں گا، جو کچھ میں اس سے کہوں گا وہ سب ان سے کہے گا۔“ (استثنا: ۱۹، ۸) ”یہ وہ برکت ہے جو موسیٰؑ مرد خدا نے اپنے مرنے سے پہلے نبی اسرائیل کو بخشی اور اس سے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور سِجَر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشین شریعت ہوگی۔“ (استثنا: ۲۳، ۲۴)

ان اوپر کی آیتوں میں تورات یہ صاف بتا رہی ہے کہ ایک اور بنی موسیٰ کے مثل آنے والا ہے جو اپنے ساتھ ایک آتشین شریعت بھی لائے گا، اور اس کے منہ میں خدا اپنا کلام بھی ڈالے گا۔ اس سے بالکل واضح ہے کہ حضرت موسیٰ کا پیغام آخری اور دائمی نہ تھا۔

اس کے بعد اشعیاہ بنی ایک اور ”رسول“ کی خوشخبری سناتے ہیں جن کی شریعت کی راہ دریائی ممالک اور جزیرے تک رہے ہیں۔ (باب ۴۰) ملاخیاہ میں ہے ”دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا۔ بنی اسرائیل کے دیگر صحیفوں اور زبور میں بھی آئندہ آنے والوں کی بشارتیں ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی اسرائیلی صحیفہ دائمی اور آخری اور مکمل نہیں تھا۔ انجیل کو دیکھو، وہ اعلان کرتی ہے:

”اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا فارقلیط بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ (یوحنا: ۱۴، ۱۶)

”لیکن وہ فارقلیط روح القدس ہے، جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا، اور سب باتیں جو کچھ میں نے تمہیں کہی ہیں، تمہیں یاد دلانے گا۔“ (یوحنا: ۱۴، ۲۶)

”میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں، پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گی، تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی، کیونکہ وہ اپنی نہ کہے گی، بلکہ جو کچھ سنے گی وہ کہے گی۔“ (یوحنا: ۸۶)

ان آیتوں میں انجیل نے صاف اعلان کیا ہے کہ وہ اللہ کا آخری کلام نہیں اور نیز یہ کہ وہ کامل بھی نہیں، ایک اور آئے گا جو مسیح کے پیغام کی تکمیل کرے گا، مگر محمد کا پیغام اپنے بعد کسی اور آنے والے کا پیغام نہیں دیتا، جو نیا پیغام سنائے گا

یا محمدؐ کے پیغام میں کوئی نقص ہے جس کو دُور کر کے وہ اس کو کامل کرے گا، بلکہ وہ اپنی تکمیل کا آپؐ دعویٰ کرتا ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاَنْتُمْ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِيْ ، (مائدہ : ۱)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر پوری کر دی اپنی نعمت۔

اور بتایا کہ محمدؐ خاتم الانبیاء یعنی نبوت کے سلسلہ کو بند کرنے والے ہیں، و خاتم النبیین خود قرآن نے کہا ہے، اور ختم بی النبیین (اور میری ذات سے انبیاء ختم کئے گئے) حدیث نے کہا ہے (مسلم باب المساجد) الا لا نبی بعدی (ہشیار کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں) متعدد حدیثوں میں ہے، آپؐ نے فرمایا ”میں نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں“

قرآن نے اپنے صحیفہ کی کسی آیت میں کسی بعد میں آنے والے پیغامبر کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف وہی پیغام ربّانی جو محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں آیا، اللہ کا آخری اور دائمی پیغام ہے اور اسی لئے وَ اِنَّا لَءِ لْخَفِیْظُوْنَ کے وعدے سے اللہ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے لی ہے۔

دوستو! اس کے بعد سوال یہ ہے کہ پیغام محمدی کے سوا کوئی اور پیغام الہی بھی عالمگیر ہو کر آیا؟ بنی اسرائیل کے نزدیک دنیا صرف بنی اسرائیل سے عبارت ہے، اللہ صرف بنی اسرائیل کا اللہ ہے اسی لئے بنی اسرائیل کے انبیاء اور صحیفوں نے کبھی غیر بنی اسرائیل تک اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا، اور اب تک بھی یہودی مذہب اور موسوی شریعت بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ تمام صحیفوں میں صرف انہی کو خطاب کیا گیا ہے اور اُن کو ان کے خاندانی خدا کی طرف ہمیشہ ملتفت کیا گیا ہے، حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنا پیغام بنی اسرائیل کی کھوئی بھیرٹوں

تک محدود رکھا اور غیر اسرائیلی کو اپنا پیغام سن کر بچوں کی روٹی کتوں کو دینی پسند نہ کی، ہندوستان کے وید بھی غیر آریوں کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتے کہ ان کے علاوہ تو تمام دنیا شور ہے اور وہاں یہ تاکید ہے کہ اگر وید کے شدید شور کے کانوں میں پڑ جائیں، تو اس کے کانوں میں سیسہ ڈال دیا جائے۔

پیغام محمدی دنیا میں اللہ کا پہلا اور آخری پیغام ہے، جو کالے گورے، عرب و عجم، ترک و تاتار، ہندی و چینی، زنگ و فرنگ، سب کے لئے عام ہے جس طرح اس کا اللہ تمام دنیا کا اللہ ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ تمام دنیا کا پروردگار ہے، اسی طرح اس کا رسول تمام دنیا کا رسول رَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْنَ تمام دنیا کے لئے رحمت ہے۔ اور اس کا پیغام بھی تمام دنیا کے لئے پیغام ہے۔

اِنَّ هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعَالَمِیْنَ (النعام: ۱۰) نہیں ہے مگر نصیحت تمام دنیا کے لئے
تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ برکت والا ہے وہ (اللہ) جس نے اپنے
عَلٰی عِبْدِهٖ لَیْکُوْنَ لِّلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا بندہ پر فیصلہ والی کتاب اتاری تاکہ
الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وہ تمام دنیا کو ہشیار کرنے والا ہو وہ
(فرقان: ۱۴) (اللہ) کہ اسی کی ہے سلطنت آسمانوں

اور زمین کی۔

آپ تمام دنیا کے نذیر ہو کر آئے، جہاں تک اللہ کی سلطنت ہے وہاں تک آپ کی پیغامبری کی وسعت ہے۔ سورہ اعراف میں ہے:

قُلْ یٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ کہہ دے اے لوگو! میں تم سب کی طرف
اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ (اس) اللہ کا رسول ہوں، جس کی
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔

دیکھو اس میں بھی پیغام محمدی کی وسعت ساری کائنات تک بتائی گئی ہے

اس سے زیادہ یہ کہ جہاں تک اس پیغام کی آواز پہنچ سکے، سب اس کے دائرے میں ہے۔

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ،
(انعام)

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے
تاکہ اس سے میں تم کو ہشیار کروں اور جس
تک یہ پہنچے اس کو (ہشیار کروں)۔

اور بالآخر:-

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا،
(سبا)

اور ہم نے نہیں بھیجا تم کو (اے محمدؐ)
لیکن تمام انسانوں کیلئے خوشخبری سنائے
والا اور ہشیار کرنے والا (بنائے)۔

ان حوالوں سے یہ امر پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ سارے مذہبوں میں صرف اسلام نے اپنے دائمی اور آخری اور کامل اور عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”مجھ سے پہلے تمام انبیاء صرف اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے اور میں تمام قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔“ یہ ہمارے دعوے کا مزید ثبوت ہے اور تاریخ کی عملی شہادت ہماری تائید میں ہے، الغرض کہنا یہ ہے کہ پیغام محمدیؐ بھی اسی طرح کامل اور دائمی اور عالمگیر ہے جس طرح اس پیغام کے لانے والے کی سیرت اور اس کا عملی نمونہ کامل اور دائمی اور عالمگیر ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کامل اور دائمی و عالمگیر پیغمبر کا آخری دائمی اور عالمگیر پیغام کیا ہے، جس نے تمام مذاہب کی تکمیل کی اور ہمیشہ کے لئے اللہ کے دین کو مکمل اور اللہ کی نعمت کو تمام کر دیا۔

ہر مذہب کے مؤجر ہیں، ایک کا تعلق انسان کے دل سے اور دوسرے کا انسان کے باقی جسم اور مال و دولت سے ہے، پہلے کو ایمان اور دوسرے کو

عمل کہتے ہیں۔ عمل کے تین حصے ہیں، ایک اللہ سے متعلق ہے جس کو عبادات کہتے ہیں، دوسرا انسان کے باہمی کاروبار سے متعلق ہے جس کو معاملات کہتے ہیں اور جن کا بڑا حصہ قانون ہے، تیسرا انسان کے باہمی تعلقات اور روابط کی بجا آوری ہے، اس کو اخلاق کہتے ہیں۔ غرض اعتقادات، عبادات، معاملات اور اخلاق مذہب کے یہی چار جز ہیں اور یہ چاروں جز پیغام محمدی کے ذریعہ سے تکمیل کو پہنچے ہیں۔

توراة اور انجیل میں عقائد کا حصہ بالکل نا صاف اور غیر واضح ہے، اس میں اللہ کے وجود اور توحید کا بیان ہے، لیکن دلیلوں اور ثبوتوں سے ممتزاج اللہ کے صفات جو اصل میں رُوح انسانی کی بالیدگی کا ذریعہ ہیں اور جن کے ذریعہ سے اللہ کی معرفت اور محبت حاصل ہو سکتی ہے، نہ توراة میں ہیں اور نہ انجیل میں۔ توحید کے بعد رسالت ہے، رسالت اور نبوت کی حقیقت، وحی الہام و مکالمہ کی تشریح انبیائے کرام کی حیثیت انسانی، انبیاء کا ہر قوم میں ہونا، انبیاء کے فرائض، انبیاء کو کس حیثیت سے تسلیم کرنا چاہئے، انبیاء کی مصومیت، ان تمام مسائل سے پیغام محمدی سے پہلے کے تمام پیغامات خالی ہیں، جزا و سزا و دوزخ و جنت و نشر قیامت و حیات آخرت، توراة میں ان کے نہایت دھندلے سے نشانات ہیں، انجیل میں ایک یہودی کے جواب میں ان اہم امور کے متعلق ایک دو فقرے ملتے ہیں۔ ایک دو فقرے جنت و دوزخ کے متعلق بھی ہیں اور بس! لیکن پیغام محمدی میں ہر چیز صاف اور مفصل موجود ہے۔ فرشتوں کا تخیل توراة میں بھی ہے مگر بالکل نا صاف۔ کبھی کبھی خدائے واحد اور فرشتوں میں یہ تمیز مشکل ہو جاتی ہے کہ توراة میں اللہ کا ذکر ہو رہا ہے یا فرشتوں کا انجیل میں ایک دو فرشتوں کے نام آتے ہیں، وہاں رُوح القدس کی حقیقت اس قدر مشتبہ ہے کہ نہ اس کو فرشتہ کہہ سکتے ہیں نہ اللہ یا لوں

کہو کہ اس کو فرشتہ بھی کہہ سکتے ہیں اور اللہ بھی۔ لیکن پیغام محمدی میں ملائکہ اور فرشتوں کی حقیقت بالکل واضح ہے، اس میں ان کی حیثیت مقرر کر دی گئی ہے، ان کے کام بتا دیئے گئے ہیں، اللہ سے، پیغمبروں سے اور کائنات سے ان کا تعلق کھول کر بتا دیا گیا ہے۔

یہ تودہ تکمیل ہے جو عقائد اور ایمانیات میں پیغام محمدیؐ نے کی ہے، اب آئیے عملیات کا امتحان لیں، عملیات کا پہلا حصہ عبادات ہے، توراۃ میں قربانی کی طویل بحث اور اس کے شرائط و آداب کی بڑی تشریح ہے۔ روزوں کا بھی ذکر آیا ہے، دعائیں بھی کی گئی ہیں، بیت ایل یا بیت اللہ کا نام بھی آتا ہے، لیکن یہ تمام چیزیں اس قدر دھندلی ہیں کہ اُن پر لوگوں کی نظر بھی نہیں پڑتی، اور وہ اُن کے انکار کی طرف مائل ہیں، پھر نہ تو عبادات کی تقسیم ہے اور نہ اُن کے طریقے اور آداب بتائے گئے ہیں۔ نہ ان کے اوقات کی صاف صاف تعبیین کی گئی ہے اور نہ اللہ کی یاد۔ اور دعاؤں کی باقاعدہ تعلیم دی گئی ہے، نہ کوئی دُعا بندہ کو سکھائی گئی ہے۔ زبور میں اللہ کی دعائیں اور مناجائیں بکثرت ہیں، مگر عبادات کے طریقے، آداب، اوقات اور دیگر شرائط کا پتہ نہیں۔ انجیل میں عبادت کا بہت کم بلکہ بالکل ذکر نہیں ہے، ایک جگہ حضرت عیسیٰؑ کے چالیس دن کے فاقہ کا ذکر ہے، اس کو روزہ کہہ لو، یہودیوں کا یہ اعتراض بھی انجیل ہی میں ہے کہ کیوں تیرے شاگرد روزے نہیں رکھتے؟، سُولی والی رات میں دُعا کرنے کا ذکر ہے اور وہیں ایک دُعا بھی سکھائی گئی ہے مگر اور عبادات کا وہاں نشان نہیں، لیکن اسلام کے پیغام میں ہر چیز صاف اور مفصل ہے۔ نماز، روزہ، حج، ان کے آداب و شرائط، عبادات کے طریقے، اللہ کے ذکر اور یاد کی دعائیں اور موثر دعائیں نماز کے اوقات، روزے کے اوقات، حج کے اوقات، ہر ایک کے احکام اور

اللہ کے حضور میں بندوں کے عجز و زاری، دُعا، مناجات، گناہوں کے اقرار اور توبہ و ندامت اور عبد و معبود کے باہمی راز و نیاز کی وہ تعلیمیں دی گئی ہیں جو روح کی غذا ہیں جو دل کی گرہیں کھولتی ہیں، جو انسانوں کو اللہ تک پہنچا دیتی ہیں جو مذہب کی روح کو مجسم کر دیتی ہیں۔

عمل کا دوسرا حصہ معاملات یا مملکت و معاشرت کے قوانین کا ہے یہ حصہ حضرت موسیٰؑ کے پیغام میں بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور پیغام محمدیؐ نے ان کو بڑی حد تک قائم رکھا ہے، لیکن ان قوانین کی سختی کم کر دی ہے، اور ایک قومی قانون کے تنگ دائرہ سے نکال کر اس کو عالمگیر قانون کی حیثیت دیدی ہے، اس حیثیت سے جن تکمیلی اجزاء کی ضرورت تھی، ان کا اضافہ کیا ہے۔ زبور اور انجیل اس شریعت اور قانون سے بالکل خالی ہیں، طلاق وغیرہ کے متعلق ایک دو احکام انجیل میں البتہ ہیں، باقی صفر مگر عالمگیر اور دائمی مذہب کی ضرورتوں کی کفالت کے لئے مملکت اور معاشرت کے قوانین کی حیات تھی اور چونکہ پیغام عیسوی ان سے خالی تھا اس لئے دیکھو کہ عیسائی قوموں کو یہ چیزیں بُت پرست بونانی اور رومی قوموں سے قرض لینا پڑیں۔ پیغام محمدیؐ نے ان میں سے ہر ایک حصہ کو پوری نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ تکمیل کو پہنچایا اور ایسے اصول اور قواعد کلیہ بتائے جن سے وقتاً فوقتاً ائمہ مجتہدین اور علمائے نئی نئی ضرورتوں کے لئے مسائل نکال نکال کر پیش کرتے ہیں اور کم از کم ایک ہزار برس تک اسلام نے دنیا میں جو شہنشاہی کی اور سینکڑوں متمدن اور مہذب سلطنتیں قائم کیں، ان سب کا اسی قانون پر عمل درآمد رہا اور اب بھی اس سے بہتر قانون دنیا پیش نہیں کر سکتی۔

عمل کا تیسرا حصہ اخلاق ہے۔ توراہ میں اخلاق کے متعلق چند احکام

پائے جلتے ہیں، ان میں سے سات اصولی احکام ہیں، جن میں سے والدین کی فرماں برداری کی ایک ایجابی تعلیم کے سوا باقی چھ سلبی تعلیمیں ہیں، تو خونِ مت کر، تو چوڑی نہ کر، تو زنا نہ کر، تو اپنے ہمسایہ پر بھونی گواہی نہ دے، تو اپنے ہمسایہ کی جو رد کو مت چاہ، تو اپنے ہمسایہ کے مال کا لالچ نہ کر، ان میں سے چھٹا حکم چوتھے میں اور ساتواں تیسرے میں داخل ہے۔ اس لئے چارہی اخلاقی احکام رہ گئے۔

انجیل میں بھی ان ہی احکام کو دہرایا گیا ہے اور مجملاً دوسروں کے ساتھ محبت کرنے کی بھی تعلیم دی گئی ہے جس کو توراۃ کے احکام پر ایک اضافہ کہہ لیجئے لیکن پیغام محمدی نے اس قطرہ کو دریا کر دیا ہے۔ سب سے پہلے اس نے اپنے بارہ اصولی احکام متعین کئے جو معراج میں ربانی بارگاہ سے عطا ہوئے تھے اور جو سورۃ اسراء میں مذکور ہیں، ان بارہ میں سے گیارہ انسانی اخلاق اور ایک توحید کے متعلق ہے۔ گیارہ میں سے پانچ سلبی ہیں اور پانچ ایجابی اور ایک سلبی و ایجابی کا مجموعہ۔

ماں باپ کی عزت اور فرمانبرداری کر، جن کا تجھ پر حق ہے، ان کا حق ادا کر، یتیم سے اچھا برتاؤ کر، ناپ تول تراؤ اور پیمانہ ٹھیک رکھ، اپنا وعدہ پورا کر کہ تجھ سے پوچھ گچھ ہوگی۔ یہ پانچ ایجابی باتیں ہیں۔ تو اپنی اولاد کو قتل نہ کر، تو ناحق کسی کی تباہی نہ لے، زنا کے قریب نہ جا، انجان بات کے پیچھے نہ چل، زینہ پر غرور نہ کر، یہ پانچ سلبی باتیں ہیں اور ایک حکم سلبی و ایجابی کا مجموعہ ہے، فضول خرچی نہ کر بلکہ اعتدال اور بیچ کی راہ اختیار کر، نفس انہی اصولی احکام کے مقابلہ سے واضح ہوا ہوگا کہ پیغام محمدی کیونکر تکمیلی پیغام ہو کر آیا ہے، اس نے نہ صرف ان اصولی احکام کو بتایا اور مکمل کیا ہے بلکہ اخلاق کی ایک ایک گرہ کو

کھولا، انسان کی ایک ایک قوت کا مصرف بتایا، اس کی ایک ایک کمزوری کو ظاہر کیا، روح کی ایک ایک بیماری کی تشخیص کی اور اس کا علاج بتایا ہے۔ یہ ”عمل“ کی وہ تکمیل تھی جو پیغام محمدیؐ کے ذریعہ سے انجام پائی۔

اسلامی تعلیمات کے وسیع دفتر کو اگر ہم دو مختصر لفظوں میں ادا کرنا چاہیں تو ہم ان کو ایمان اور عملِ صالح کے دو لفظوں سے تعبیر کر سکتے ہیں، ایمان اور عمل یہی دو چیزیں ہیں جو ہر قسم کے محمدیؐ پیغام پر حاوی ہیں اور قرآن پاک میں انہی دونوں پر انسانی نجات کا مدار ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارا ایمان پاک اور مستحکم ہو، اور عمل نیک اور صالح ہو اَلَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قرآن میں بیسیوں جگہ آیا ہے اور ہر جگہ صاف کھول کھول کر بیان کیا ہے کہ فلاح اور کامیابی صرف ایمان اور عملِ صالح پر موقوف ہے، میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں اصولی مسئلوں کو پوری تشریح کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دوں، مگر افسوس کہ یہ موقع نہیں ہے کہ یہاں ان کی پوری تفصیل پیش کی جاسکے، اس لئے اس وقت پیغام محمدیؐ کا صرف وہ حصہ پیش کیا جاتا ہے جس نے ایمان و عمل کے متعلق تمام دنیا کی غلطیوں کی اصلاح کی اور دین ناقص کو تکمیل کے درجہ تک پہنچایا اور ان اصولی اور بنیادی غلطیوں کو دور کیا جن کی بنا پر انسانیت حد درجہ پستی اور گمراہی میں تھی، وہ غلطیاں ہر قسم کی گمراہیوں کی بنیاد اور جڑ تھیں۔

۱۔ ان بنیادی مسئلوں میں سب سے پہلا جو پیغام محمدیؐ کے ذریعہ سے سامنے آیا وہ کائنات اور مخلوقات الہی میں انسانیت کا درجہ ہے اور یہی توحید کی جڑ ہے۔ اسلام سے پہلے انسان اکثر مخلوقات الہی سے اپنے کو کم درجہ اور کم رتبہ سمجھتا تھا، وہ سخت پتھر، اونچے پہاڑ، بہتے دریا، سرسبز درخت، برستے پانی، دھکتی آگ، ڈراؤنے جنگل، زہریلے سانپ، ڈکاتے شیر، دودھ دینی لگائے

چلتے سورج، درخشاں تاروں، کالی راتوں، بھیاںک صورتوں، غرض دنیا کی ہر اُس چیز کو جس سے وہ ڈرتا تھا یا جس سے نفع کا خواہشمند تھا، پوجتا تھا اور اس کے آگے اپنی عبودیت کا سر جھکا تا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر دنیا کو یہ پیغام دیا کہ ”اے لوگو! یہ تمام چیزیں تمہاری آقا نہیں بلکہ تم اُن کے آقا ہو، وہ تمہارے لئے پیدا کی گئی ہیں، تم ان کے لئے پیدا نہیں کئے گئے وہ تمہارے آگے بھکی ہیں، تم کیوں اُن کے آگے بھکتے ہو۔ اے انسانو! تم اس ساری کائنات میں اللہ کے نائب اور خلیفہ ہو، اسلئے یہ ساری مخلوقات اور کائنات تمہارے زیر فرمان کی گئی ہے تم اس کے زیر فرمان نہیں کئے گئے، وہ تمہارے لئے ہے، تم اس کے لئے نہیں ہو۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ
فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ (لقہ: ۲)
وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خُلَآئِفَ فِی
الْاَرْضِ، (انعام: ۲۰)
(یاد کرو) جب تیرے اللہ نے فرشتوں
سے کہا تھا میں زمین میں اپنا نائب بنانے
والا ہوں اور اسی (اللہ) نے تم کو زمین
میں اپنا نائب بنایا ہے۔

اسی نیابت اور خلافت نے آدمؑ اولاد آدم کو سب مخلوقات میں عزت اور بزرگی بخشی ”وَلَقَدْ کَوْنٰنَا بَنِیْ اٰدَمَ“ اور ہم نے بہ تحقیق اور بلا شک و شبہ آدمؑ کی اولاد کو بزرگ بنایا۔ اب کیا یہ بزرگ ہو کر اپنے سے پست تر اور حقیر تر کر کے آگے سر جھکائے۔

اسلام نے انسانوں کو یہ سمجھایا کہ یہ ساری دنیا تمہارے لئے بنائی گئی ہے۔
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی
الْاَرْضِ، (حج: ۹)
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو
کچھ زمین میں ہے سب تمہارے بس میں
دے دیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ
اسی نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں

ہے بنایا۔

جَمِيعًا، (بقروہ: ۲)

جانور تمہارے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

وَالْأَنْعَامَ مَلَقْنَا لَكُمْ فِيهَا دِفْعًا وَمَنْفَعًا (نحل: ۱)

اور جانوروں کو پیدا کیا، تمہارے لئے ان کے اُون میں گرمی اور دوسرے فائدے ہیں۔

بارش اس سے اُگنے والی سبزیاں اور درخت تمہارے لئے ہیں۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ هُيُتِبَتْ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ (نحل: ۲)

اسی (اللہ) نے آسمان سے تمہارے لئے پانی اتارا، اس میں سے کچھ تم پیتے ہو اور کچھ سے درخت اُگتے ہیں جس میں جاؤ پرتے ہو، وہی (اللہ) تمہارے لئے لڑھکتی اور زیتون، چھوہلے اور انگور اور قسم کے پھل اگانا ہے۔

رات، دن، چاند، سورج اور تارے سب تمہارے لئے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنَّجُومَ مَسْخَرَاتٌ بِأَمْرِهٖ (نحل: ۲)

اور اس نے رات اور دن اور چاند اور سورج کو تمہارے لئے کام میں لگایا اور سناہ اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں۔

دربار اور اس کی روانی بھی تمہارے لئے ہے۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِيَتَاكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلَ الْكَبِيرَ مَوَاحِرَ فِيهِ وَلِيَتَّبِعُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (نحل: ۲)

اور وہی (اللہ) جس نے دریا کو کام میں لگایا ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے آرائش کے موتی پہننے کو نکالو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں سمندر کو بھارتی چلتی ہیں اور تاکہ تم اللہ کی مہربانی کو

وَالْبَيْتَيْنِ آدَبًا (آل عمران : ۸) اور نبیوں کو رب بناؤ۔

الغرض انسانیت کا درجہ پیغام محمدی کے ذریعہ سے اتنا بلند ہو گیا ہے کہ اس کی پیشانی سوائے ایک اللہ کے کسی کے سامنے نہیں جھک سکتی اور اس کے ہاتھ اس کے سوا کسی اور کے آگے نہیں پھیل سکتے، جس سے وہ لینا چاہے اس کو کوئی دے نہیں سکتا، اور جس کو وہ دینا چاہے اس سے کوئی لے نہیں سکتا۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهُ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهُ. (زخرف : ۷) اور وہی آسمان میں اللہ ہے اور وہی زمین میں اللہ ہے۔

إِلَهِ الْخَلْقِ وَالْأَمْرِ، (اعراف : ۷) ہاں اسی کیلئے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ حکومت صرف اللہ کی ہے۔

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ، (انعام : ۷) اسکی سلطنت میں کوئی شریک نہیں۔ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ (فوقان : ۱)

اس پیغام محمدی کو سامنے رکھ کر ذرا توحید کے مسئلہ کو سمجھو تو معلوم ہوگا کہ علاوہ اس کے اُس نے انسانیت کے درجہ کو کہاں تک بلند کیا، توحید کی حقیقت کو بھی کس طرح کھول دیا ہے، یہاں ”اللہ“ کے ساتھ کوئی ”قبصر“ نہیں ہے جو کچھ ہے اسی اللہ کا ہے، قبصر کا کچھ نہیں، اسی کی حکومت ہے، اسی کی سلطنت ہے اور اسی کی فرمان روائی ہے، اسی کا حکم ہے جو فرش سے عرش تک اور زمین سے آسمان تک جاری ہے۔

عزیزو! اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ ایک انسان اس نشہِ خلافت سے سرمست ہو کر کیا کسی غیر اللہ کے آگے جھک سکتا ہے؟ اندھیرا ہو یا روشنی، ہوا ہو یا پانی، بادشاہ ہو یا دشمن، جنگل ہو یا پہاڑ، خشکی ہو یا تری، کیا کبھی ایک صحیح مسلمان کا دل اللہ کے علاوہ کسی سے ڈر سکتا ہے، اور کسی ہستی کی پرہیز کر سکتا ہے؟ ذرا اس روحانی تعلیم کی اخلاقی قوت کو دیکھو اور پیغام محمدی کی اس

بلندی پر غور کرو۔

۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا اصول اور بنیادی پیغام یہ ہے کہ، انسان اصل خلقت میں پاک اور بے گناہ اور اس کی فطرت کی لوح بالکل سادہ اور بے نقش ہے۔ وہ خود انسان ہی ہے جو اپنے اچھے بُرے عمل سے فرشتہ یا شیطان یعنی بے گناہ یا گنہگار بن جاتا ہے اور اپنی فطرت کے سادہ دفتر کو سیاہ یا روشن کر لیتا ہے، یہ سب سے بڑی خوشخبری اور بشارت ہے جو بنی نوع انسان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی چھین، برما اور ہندوستان کے تمام مذاہب آداگوں اور ناسخ کے چکر میں مبتلا ہیں۔ یونان کے بعض بے وقوف حکیم بھی اس خیال سے متفق ہیں مگر اس وہم نے انسانیت کو بیکار کر دیا اور اس کی پیٹھ پر بڑا بھاری بوجھ رکھ دیا ہے اس کے ہر عمل کو دوسرے عمل کا نتیجہ بنا کر اس کو مجبور کر دیا اور اس کی زندگی کو دوسری زندگی کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ اس عقیدے کے مطابق کسی انسان کا دوبارہ پیدا ہونا ہی اس کی گنہگاری کی دلیل ہے عیسائی مذہب نے بھی انسانیت کے اس بوجھ کو کم نہیں کیا بلکہ اور بڑھا دیا۔ عیسائی مذہب نے یہ عقیدہ تعلیم کیا ہے کہ ہر انسان اپنے باپ آدم کی گنہگاری کے سبب سے موروثی طور پر گنہگار ہے خواہ اس نے ذاتی طور پر کوئی گناہ نہ کیا ہو، اس لئے انسانوں کی بخشائیش کے لئے ایک غیر انسان کی ضرورت ہے جو موروثی گنہگار نہ ہو، تاکہ وہ اپنی جان دے کر بنی نوع انسان کے لئے کفارہ ہو جائے۔

لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر غمزہ انسانوں کو یہ خوشخبری سنائی کہ تم کو بشارت ہو کہ نہ تم اپنی پہلی زندگی اور کرم کے ہاتھوں مجبور و ناجار ہو، اور نہ اپنے باپ آدم کے گناہ کے باعث فطری گنہگار ہو، بلکہ تم فطرۃً پاک و

صاف ادب بے عیب ہو، اب تم خود اپنے عمل سے خواہ اپنی صفائی اور پاک کی کو
برقرار رکھو یا نجس و ناپاک بن جاؤ۔

وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ
وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ لَقَدْ خَلَقْنَا
إِلَٰنَاسًا فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ، ثُمَّ
رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ. (تین)

قسم ہے انجیری کی اور زیتون کی اور طور
سینا کی اور اس امن والے شہر (مکہ)
کی (کہ) البتہ ہم نے انسان کو بہترین
اعتدال پر پیدا کیا، پھر ہم اس کو نیچے
سے نیچے پہنچا دیتے ہیں، لیکن وہ جو
ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے۔

انسانوں کو پیغام محمدی کی یہ بشارت ہے کہ انسان بہترین حالت، بہترین
اعتدال اور راستی پر پیدا کیا گیا ہے، لیکن وہ اپنے عمل کی بنا پر نیک و بد ہو جاتا،
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا، فَأَنشَأْنَاهَا
فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا، قَدْ أَفْلَحَ
مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا
(دشمن)

قسم ہے نفس کی، اور اس کے ٹھیک
بنائے جانے کی، پھر ہم نے سمجھ دے گی
اس کو بدی اور نیکی کی، تو کامیاب ہے
وہ جس نے اس (نفس کو) پاک رکھا
اور ناکام ہوا وہ جس نے اُس کو میلا کر دیا۔

انسانیت کی فطری پاکی کے لئے اس سے زیادہ صاف پیغام اور کیا چاہیے

سورہ دھر میں پھر آتا ہے:-

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ
أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا
بَصِيرًا، إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ

ہم نے انسان کو ایک بوند کے لچھے سے
پیدا کیا، ہم پلٹتے رہے اس کو، پھر دیا
ہم نے اُس کو سنتا دیکھتا (انسان) ہم

نے اس کو سوجھادی راہ اب وہ یا حق
مانتا ہے اور یا ناشکر ہے۔

إِنَّمَا شَاكَرُوا وَإِنَّمَا كَفَرُوا۔

(دھر - ع ۱)

سورۃ انفطار میں ہے:

اے انسان کا ہے سے دھوکے میں پڑا
تو اپنے بخشش والے رب کے متعلق
جس نے تجھ کو پیدا کیا، پھر تجھ کو ٹھیک
کیا پھر تجھ کو برابر کیا، جس صورت میں چاہا
تجھ کو جوڑ دیا۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّبَكَ بِرَبِّكَ
الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ
فَعَدَلَكَ، فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ
رَكَّبَكَ۔ (انفطار - ع ۱)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی الہامی زبان میں دین اور فطرت ایک
ہی معنی کے دو لفظ ہیں، اصل فطرت دین ہے، اور گنہگاری انسان کی ایک بیماری
ہے جو باہر سے آتی ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا
فَطَرَّتِ اللَّهُ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ
عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ
الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنْ أَكْثَرُ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ
(روم : ۴)

سو تو باطل سے ہٹ کر اپنے آپ کو
دین پر سیدھا قائم رکھ، وہی اللہ کی
فطرت، جس پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے
اللہ کے بنائے میں بدلنا نہیں، یہی سیدھا
دین ہے۔ لیکن بہت لوگ
نہیں جانتے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک پیغام میں اس آیت پاک کا مطلب
پورے طور پر واضح کر دیا ہے۔ بخاری تفسیر سورۃ روم میں ہے کہ آپ نے فرمایا،
ما من مولود یولد الا علی الفطرة، کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہیں
ہوتا، لیکن ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں جس طرح ہر جانور

اصل میں صبح سالم بچہ پیدا کرتا ہے، کیا تم نے دیکھا کہ کوئی کان کٹا بچہ بھی وہ جنتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے پھر اوپر کی آیت پڑھی۔
غور کرو اس پیغام محمدی نے بنی نوع انسان کو کتنی بڑی خوشخبری سنائی ہے اور انسان کے دائمی غم کو کس طرح آزاد بنا دیا ہے۔

۳۔ ظہور محمدی سے پہلے دنیا کی یہ کل آبادی مختلف گھرانوں میں بٹی ہوئی تھی لوگ ایک دوسرے سے نا آشنا تھے۔ ہندوستان کے رشیوں اور مہیوں نے آریہ ورت سے باہر اللہ کی آواز کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی تھی، ان کے نزدیک پریشور صرف پاک آریہ ورت کے باشندوں کی بھلائی چاہتا تھا، اللہ کی رہنمائی کا عطیہ صرف اسی ملک اور یہیں کے بعض خاندانوں کیلئے محفوظ تھا۔ زردشت خاک پاک ایران کی پاک نژاد کے سوا اور کہیں اللہ کی آواز نہیں سنتا تھا۔ بنی اسرائیل اپنے خاندان سے باہر کسی رسول اور نبی کی بشت اور ظہور کا حق نہیں سمجھتے تھے۔ یہ پیغام محمدی ہی ہے جس نے پورب، پچیم، اتر، دکھن ہر طرف اللہ کی آواز سنی، اللہ کی رہنمائی کے لئے ملک قوم اور زبان کی تخصیص نہیں، اسکی نگاہ میں فلسطین، ایران، ہندوستان اور عرب سب برابر ہیں، ہر جگہ اس کے پیغام کی بانسری بجی، اور ہر طرف اُس کی رہنمائی کا نور چمکا۔

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا
نَذِيرٌ (فاطر)

اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہے اور
وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد) وَلَتَن
أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى
قَوْمِهِمْ (روم)

ہم نے تجھ سے پہلے کتنے رسول ان کی
اپنی قوم کے پاس بھیجے۔
ایک یہودی اپنی قوم سے باہر کسی پیغمبر کو تسلیم نہیں کرتا۔ ایک عیسائی کے

لئے بنی اسرائیل کے یا دوسرے ملکوں کے رہنماؤں کو تسلیم کرنا ضروری نہیں، اور ایسا کرنے سے اس کے سچے عیسائی ہونے میں کچھ فرق نہیں آتا۔ ہندو دھرم کے لوگ آریہ ورت کے باہر اللہ کی کسی آواز کے قائل نہیں۔ ایران کے زرتشتی کو اپنے ہاں کے سوا دنیا ہر جگہ اندھیری معلوم ہوتی ہے لیکن یہ محمد رسول اللہ صی کا پیغام ہے کہ ساری دنیا اللہ کی مخلوق ہے اور اللہ کی نعمتوں میں ساری قومیں اور نسلیں برابر کی شریک ہیں۔ ایران ہو یا ہندوستان، چین ہو یا یونان، عرب ہو یا شام ہر جگہ اللہ کا نور کیساں چمکا۔ جہاں جہاں بھی انسانوں کی آبادی تھی، اللہ نے اپنے قاصد بھیجے، اپنے رہنما اتارے اور ان کے ذریعہ اپنے احکام سے سب کو مطلع فرمایا۔

اسلام کی اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ کوئی مسلمان اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا، جب تک دنیا کے تمام پیغمبروں پر پہلی آسمانی کتابوں پر، اور گزشتہ ربانی الہاموں پر یقین نہ رکھے۔ جن جن پیغمبروں کے قرآن میں نام ہیں، اُن کو نام بنام اور جن کے نام نہیں معلوم، یعنی قرآن نے نہیں بتائے ہیں، وہ کہیں بھی گزرے ہوں اور ان کے جو نام بھی ہوں، ان سب کو سچا اور استنباز ماننا ضروری ہے، مسلمان کون ہیں؟ جو ایمان رکھتے ہیں اُس پر جو اے محمدؐ اَلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔ تم پر اُترا اور اس پر جو تم سے پہلے اُترا۔ (بقہ ۲)

پھر سورہ بقرہ کے بیچ میں فرمایا:

لِكَيْ تَبَرَّ مِنْ آثَمَنِ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَابْتَغِ الْوَعْدَ
وَالْتَبَّيْنِ (بقہ)

لیکن نیکی اس کی ہے جو اللہ پر اور
قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور
کتاب پر اور زما نبیوں پر ایمان لایا۔

اسی سورہ کے آخر میں ہے کہ پیغمبر اور اس کے پیرو:

كُلُّ اٰمَنٍ بِاللّٰهِ وَ مَلٰئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ
وَرُسُلِهٖ لَا تَفْرِقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ
رُّسُلِهٖ (بقہ)

سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے
فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس
کے رسولوں پر، ہم اس کے رسولوں
میں باہم فرق نہیں کرتے۔

یعنی یہ نہیں کر سکتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر نہیں، تمام مسلمانوں
کو حکم ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَ
رُسُوْلِهٖ وَ اَلِكُتُبِ الَّتِي نَزَّلَ
عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ اَلِكُتُبِ الَّتِي
اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ (نساء ۲۴)

اے ایمان لاپکنے والو! ایمان لاؤ،
اللہ پر اور اس کے رسول پر اس
کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری
اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری گئی۔

عزیزو! دنیا کی اس روحانی مساوات، انسانی اخوت و برادری اور تمام
سچے مذہبوں، رہنماؤں اور پیغمبروں کے اس حقیقی ادب و تعظیم اور ان کی یکساں
صداقت کا سبق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نے دیا ہے؟
اب بتاؤ کہ پیغمبر اسلام کی رحمت عالم، ہمدردی اور داورسی کا دائرہ کتنا وسیع
ہے کہ اس سے انسانوں کی کوئی بستی اور بنی آدم کا کوئی گھر ناخالی نہیں۔

۴۔ تمام مذہبوں نے عبد و معبود اور خدا و بندہ کے درمیان واسطے قائم
کر رکھے تھے، قدیم تنجانون میں کاہن اور پوجاری تھے، یہودیوں نے بنی لادی
اور ان کی نسل کو اللہ اور بندہ کے درمیان عبادتوں اور قربانیوں میں واسطہ
بنایا تھا عیسائیوں نے بعض حواریوں اور ان کے جانشین پوپوں کو یہ رتبہ دیا کہ
وہ جو زمین پر باندھیں گے وہ آسمان پر باندھا جائے گا اور جو زمین پر کھولیں گے

وہ آسمان پر کھولا جائے گا۔ ان کو تمام انسانوں کے گناہ معاف کرنے کا اختیار دیا گیا، ان کے بغیر کوئی عبادت نہیں ہو سکتی۔ ہندوؤں میں برہمن خاص اللہ کے داہنے ہاتھ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ اور بندہ کے درمیان وہی واسطہ ہیں، انکی وساطت کے بغیر کوئی ہندو عبادت نہیں ہو سکتی، مگر اسلام میں پجاریوں کا ہنوں پوپوں اور پادریوں کی کوئی جماعت نہیں ہے، یہاں پریسٹ کلاس کا وجود نہیں یہاں کھولنے اور باندھنے کا اختیار صرف اللہ کو ہے، یہاں گناہوں کی معافی کا حق صرف اللہ کو ہے، عبد و معبود اور اللہ اور بندہ کی عبادت اور راز و نیاز میں کسی غیر کو دخل نہیں، ہر شخص جو مسلمان ہے نماز کا امام ہو سکتا ہے قربانی کر سکتا ہے، نکاح پڑھا سکتا ہے۔ مذہب کے تمام مراسم بجالا سکتا ہے۔ یہاں انسانوں کو اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اے لوگو! (بلا واسطہ) مجھے پکارو میں تم کو جواب دوں گا۔ کی صدائے عام ہے، ہر شخص اپنے اللہ سے باتیں کر سکتا ہے، اپنی دعاؤں میں اس کو پکار سکتا ہے، اس کے آگے جھک سکتا ہے اور دل کی عقیدت کے نذرانے بے واسطہ پیش کر سکتا ہے۔ یہاں عبد و معبود اور اللہ و بندہ کے درمیان کوئی متوسط اور دخیل نہیں، یہ سب سے بڑی آزادی ہے، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے انسانوں کو عطا ہوئی یعنی یہ کہ اللہ کے معاملہ میں انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات ملی۔ ہر انسان اپنا آپ کا ہن، پریسٹ، پوپ اور برہمن ہے۔

۵۔ انسانوں کی تعلیم و ہدایت کے لئے جو مقدس ہستیاں وقتاً فوقتاً آتی رہیں، ان کے متعلق ابتدا سے قوموں میں حد درجہ عقیدت مندی کی افراط و تفریط رہی ہے۔ افراط یہ تھی کہ نادانوں نے ان کو خود اللہ یا اللہ کا مثل، یا اللہ کا روپ اور منظر ٹھہرایا۔ بابل، اسیریا اور مصر کے ہیکلوں میں کاہنوں کی شان مثل اللہ

کے نظر آتی ہے۔ ہندوؤں میں وہ اوتار کے رنگ میں مانے جاتے ہیں، بودھوں اور جینیوں نے اپنے بودھوں اور مہابیروں کو خود اللہ تسلیم کر لیا، عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کو اللہ کا بیٹا ٹھہرایا۔ دوسری طرف تفریط یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے نزدیک ہر وہ شخص جو پیشین گوئی کر سکتا تھا، بنی اور پیغمبر تھا۔ ایک نبی کی نبوت کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ پیش گوئی کرتا ہے، خواہ وہ گنہگار ہو، اخلاقی حیثیت سے قابل اعتراض ہو، اللہ کی نگاہ میں اس کا کیسا ہی درجہ ہو، اس کانیک اور معصوم ہونا بھی ضروری نہ تھا۔ اسی لئے بنی اسرائیل کے موجودہ صحیفوں میں بڑے بڑے پیغمبروں کے متعلق ایسی حکایتیں ملتی ہیں جو حد درجہ لغو اور بیہودہ ہیں۔

اسلام نے اس منصبِ عظیم کی صحیح حیثیت مقرر کی، اور بتایا کہ انبیاءؑ نہ اللہ ہیں نہ اللہ کے شیل ہیں، نہ اللہ کے اوتار ہیں، نہ اللہ کے بیٹے اور شتہ دا ہیں، وہ آدمی ہیں اور محض آدمی ہیں، وہ بشر ہیں اور خالص بشریت کے جامہ میں ہیں تمام انبیاء بشر تھے اور آخری پیغمبرؐ نے خود اپنے متعلق کہا کہ میں بشر ہوں کفار تعجب سے کہتے تھے بَشَرًا رَّسُولًا ”کیا بشر رسول؟“

اسلام نے کہا، ہاں:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا
کہدے اے پیغمبر! میں بھی تمہاری ہی طرح بشر ہوں، میں نہیں ہوں لیکن بشر رسول۔

اللہ کے کارخانے کی کوئی چیز بالذات انبیاءؑ کے اختیار میں نہیں، اُن کو بالذات کسی مافوق طاقت بشری کام پر قدرت نہیں، انہوں نے جو کچھ کیا وہ اللہ کے اذن و اشارہ سے۔

دوسری طرف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ گواہان ہیں اور شہر ہیں، لیکن اپنے کلمات کی حیثیت سے تمام انسانوں سے مافوق ہیں، وہ اللہ سے مکالمہ کرتے ہیں، ان پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے، وہ بے گناہ اور معصوم ہوتے ہیں، تاکہ گنہگاروں کے لئے نمونہ بنیں، ان کے ہاتھوں سے اللہ اپنے اذن اور اشارہ سے اپنی قدرت کے عجائبات دکھاتا ہے۔ وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہیں، ان کی عزت و تعظیم اور اطاعت سب پر فرض ہے، وہ اللہ کے خاص، سچے اور مطیع بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی رسالت اور پیغمبری کے منصب سے سرفراز کرتا ہے۔

یہ ہے اعتدال اور درمیانی راہ جو پیغام محمدیؐ نے انبیاءؑ اور رسولوں کی نسبت قائم کی ہے، جو ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے اور اس مذہب کے مناسب ہے، جس نے دنیا میں توحید کی تکمیل کی۔

دوستو! آج کی مجلس نے طول پکڑا، ابھی کہنے کی بہت کچھ باتیں ہیں:

”شبِ آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد“

انشاء اللہ آئندہ مزید معروضات پیش کروں گا۔ رات زیادہ گئی ہے اس لئے اب آج کی مجلس اس دائمی، کامل اور عالمگیر محکم کے درود و سلام پر ختم ہوتی ہے۔

آٹھواں خطبہ

پیغام محمدیؐ

— (عمل) —

دوستو! آج میری اور آپ کی ایک ماہرہ ملاقات کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، آج میری تقریر کی آٹھویں قسط ہے، میں نے چاہا تھا کہ ان دو اخیر تقریروں میں اسلام کے بنیادی امور کے متعلق تمام باتیں آپ کے سامنے پیش کر دوں، مگر

صد سال می تو اں سخن از زلف یار بست

مسئلہ توحید کے متعلق تمام پہلے مذاہب میں جو حقیقت میں توحید ہی کا پیام لے کر اس دنیا میں آئے تھے، تین اسباب سے غلط فہمیاں اور گمراہیاں پیدا ہوئیں، ایک جسمانی تشبیہ و تمثیل، دوسرے صفات کو ذات سے الگ اور مستقل ماننا، اور تیسرے افعال کی نیزگی سے دھوکا کھانا، پیغام محمدیؐ نے ان گمراہوں کو کھولا، ان غلط فہمیوں کو دور کیا، اور ان حقیقتوں کو واضح کیا۔ سب سے پہلے تشبیہ و تمثیل کو لہجے۔

۱۔ اللہ کو، اللہ کی صفات کو اور اللہ و بندہ کے باہمی تعلق کو واضح کرنے کے لئے خیالی یا مادی تشبیہیں اور تمثیلیں، دوسرے مذاہب کے معتقدوں نے

ایجاد کیں، نتیجہ یہ ہوا کہ اصل اللہ نوجا تا رہا اور اس کی جگہ یہ تشبیہیں اور تمثیلیں اللہ بن گئیں، ان ہی تشبیہوں اور تمثیلوں نے مجسم ہو کر بتوں کی شکل اختیار کر لی اور بت پرستی شروع ہو گئی۔ اللہ کو اپنے بندوں کے ساتھ جو لطف و کرم اور محبت و پیار ہے اس کو بھی تشبیہ و تمثیل کے رنگ میں ادا کر کے مجسم کر دیا گیا۔ آریں قوموں میں چونکہ عورت محبت کی دیہی ہے، اس لئے اللہ اور بندہ کے تعلق کو ماں اور بیٹے کے لفظ سے ادا کیا گیا، اور اس لئے اللہ ”اماں“ کی شکل میں آگیا، بعض دوسرے ہندو فرقوں میں اس بے کیف محبت کو زن و شو اور میاں بیوی کے الفاظ میں ادا کیا گیا۔ سدا شہاگ فقیروں نے ساڑی اور چوڑی پہن کر اسی حقیقت کو نمایاں کیا ہے، رومیوں اور یونانیوں میں بھی عورت ہی کی شکل میں خدا ظاہر ہوا ہے۔ سامی قوموں میں عورت کا بر ملا ذکر تہذیب کے خلاف ہے، اس لئے خاندان کی اصل بنیاد باپ قرار دیا گیا ہے، اسی طرح بابل و اسیر یا شام کے کھنڈروں میں اللہ مرد کی صورت میں جلوہ نما ہے۔ بنی اسرائیل کے ابتدائی تخیل میں اللہ باپ اور تمام فرشتے اور انسان اس کی اولاد بتائے گئے ہیں، بعد کو باپ اللہ کی اولاد صرف بنی اسرائیل قرار پاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے بعض صحیفوں میں زن و شو کا تخیل بھی اللہ اور بنی اسرائیل کے درمیان نظر آتا ہے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل اور یروشلم بیوی فرض کئے جاتے ہیں اور اللہ شوہر بنتا ہے، عیسائیوں میں باپ اور بیٹے کی تمثیل نے اصلیت اور حقیقت کی جگہ لے لی، عربوں میں بھی اسی قسم کا تخیل تھا، اللہ باپ تصور کیا جاتا تھا اور فرشتے اس کی بیٹیاں۔ پیغام محمدیؐ نے ان تمام تمثیلی صورتوں طریقوں اور محاوروں کو یک قلم موقوف کر دیا، اور ان کا استعمال شرک قرار دیا اس نے صاف اعلان کیا لیسَ کَیْثَ لَہُ شَیْءٌ اس جیسی اور اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ اس ایک آیت نے شرک کی ساری بنیادوں کو ہلا دیا پھر

ایک نہایت ہی چھوٹی سورہ کے ذریعہ سے انسانوں کے سب سے بڑے وہم کو دور کیا۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، اللَّهُ الصَّمَدُ
لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ
(سورہ اخلاص)

کہہ دے (اے پیغمبر! اللہ ایک ہے، اللہ
(خود ہر چیز سے) بے نیاز ہے (اور تمام
چیزیں اس کی نیاز مند ہیں) نہ وہ جنتا
ہے (جو اُس کے اولاد ہو) اور نہ وہ جنتا
جاتا ہے (جو کسی کی اولاد ہو) کبھی اللہ ہو
اور نہ اُس کا کوئی ہمسر ہے (جو زن و شو
کارشتہ قائم ہو سکے)۔

اس ایک سورہ میں جو قرآن پاک کی سب سے چھوٹی سورہ ہے، توحید کی نکھری
ہوئی صورت ظاہر ہوئی ہے، جس کی بنا پر دین محمدیؐ ہر قسم کے شرک کے مخالفوں
سے پاک ہو گیا ہے۔

دوستو! اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ پیغام محمدیؐ نے اللہ اور بندہ کے
درمیان محبت، پیار اور لطف و کرم کے تعلقات کو توڑ دیا، انہیں اُس نے اُن
تعلقات کو اور زیادہ پیوستہ اور مضبوط کر دیا ہے، لیکن ان تعلقات کے ادا کرنے
میں جو جسمانی تعبیریں مختلف انسانی شکلوں میں تھیں، صرف ان کو توڑ دیا ہے اس
لئے کہ اول تو یہ انسانی طریقہ ادا حقیقت سے بہت کم رتبہ ہے، یعنی اُس کی
نگاہ میں عبد و معبود کے درمیان جو تعلق ہے، اس کے مقابلہ میں باپ، بیٹے
ماں، بیٹیاں یا زن و شو کا تعلق محض بیچ اور بالکل کم درجہ ہے، دوسرے یہ کہ
ان تعبیروں سے شرک کی غلطیاں پیدا ہوتی ہیں اسی لئے اسلام نے یہ کہا،
اَذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا، تم اللہ کو اس طرح

یاد کرو جیسے اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو، بلکہ اس سے بڑھ کر یاد کرو۔ دیکھو کہ اس آیت میں محبت الہی کو یاد کرنا تھا تو یہ نہیں کہا کہ ”اللہ تمہارا باپ“ یعنی اللہ اور باپ کے رشتہ کو مشبہ اور مشبہ بہ نہیں بنایا بلکہ اللہ کی محبت اور باپ کی محبت کو باہم مشبہ اور مشبہ بہ قرار دیا، اس سے ظاہر ہوا کہ اس نے روحانی رشتہ کو گو چھوڑ دیا لیکن اس جسمانی رشتہ کی محبت کو باقی رکھا۔ آگے بڑھ کر اس نے کہا، بلکہ ”باپ سے زیادہ اللہ سے محبت رکھنی چاہئے“ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس رشتہ کی محبت کو وہ اللہ اور بندہ کی محبت اور تعلق کے مقابلہ میں کم رتبہ اور یخ سمجھتا ہے اور اس میں ترقی کی ضرورت محسوس کرتا ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ۔ ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔ اسلام اللہ کو ابو العلیین دنیا کا باپ نہیں کہتا بلکہ رَبِّ الْعَالَمِينَ دنیا کا پالنہ ہار کہتا ہے کیونکہ اس کی نگاہ میں اب سے رب کا رتبہ بہت بلند ہے باپ کا تعلق بیٹے سے آتی اور عارضی ہے، مگر رب کا تعلق اپنے مربوب سے اس کی خلقت اور وجود کے اولین لمحہ سے لے کر آخرین لمحہ تک برابر بلا انقطاع قائم رہتا ہے۔ اسلام کا اللہ دُودُ دُود ہے یعنی محبت والا رُودُ دُود ہے، یعنی ایسی رافت اور محبت والا، جو باپ کو اپنے بیٹے سے ہے حَتَّانُ ہے یعنی ایسی محبت والا، جیسی ماں کو اپنے بیٹے سے ہے، مگر وہ نہ باپ ہے اور نہ ماں بلکہ ان تشبیہوں سے پاک ہے۔

۲۔ حضرات! قدیم مذاہب کے عقیدہ توحید میں غلط فہمیوں کا دوسرا سبب صفات کا مسئلہ ہے یعنی صفات کو ذات الہی سے الگ، مستقل وجود کے طور پر تسلیم کرنا۔ ہندوؤں کے عام مذہب میں اللہ کا لاتعداد لشکر نظر آتا ہے وہ حقیقت میں اسی غلطی کا نتیجہ ہے کہ ہر ایک صفت کو انہوں نے ایک علیحدہ

اور مستقل وجود مان لیا اور اس طرح ایک اللہ کے ۳۳ کروڑ الٰہ بن گئے تعداد کو چھوڑ کر صفات کی تشبیہ اور تمثیل بھی انہوں نے مجسم کر کے پیش کی، اللہ کی صفت قوت کو ظاہر کرنا تھا تو انہوں نے اسے واقعی ہاتھ کے ذریعہ سے ظاہر کیا اور اس کی جسمانی تمثیل میں کئی کئی ہاتھ بنا دیئے۔ اللہ کی حکمت بالغہ کو سمجھانا تھا تو ایک سر کے بجائے دوسرے کی صورت کھڑی کر دی۔

ہندو مذہب کے فرقوں پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ وہ اسی ایک مسئلہ صفات کے مجسم اور مستقل وجود کے تخیل سے مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں، اللہ کی تین بڑی صفتیں ہیں: خالقیت، قومیت اور محبت یعنی پیدا کرنے والا، قائم رکھنے والا اور فنا کرنے والا۔ ہندو فرقوں نے ان صفتوں کو تین مستقل شخصیتیں تسلیم کر لیا، اور برہما، وشنو اور شیو یعنی خالق، قیوم اور محبت، تین مستقل ہستی بن گئیں اور برہمن، وشنو پرست اور شیو پرست تین الگ الگ فرقے ہو گئے اور تینوں کے پوجنے والے الگ ہو گئے۔ لنگایت فرقہ نے خالقیت کی صفت کو اپنا خدا ٹھہرا کر مرد و عورت کے آلات تولید کو اس خالق کا مظہر مان لیا، اور ان کی تصویر پوجنی شروع کر دی۔

عیسائیوں نے اللہ کی تین بڑی صفتوں، یعنی حیات، علم اور ارادہ کو تین مستقل شخصیتیں تسلیم کر لیا، حیات باپ ہے، علم روح القدس ہے اور ارادہ بیٹا ہے۔ اسی قسم کی چیز رومی، یونانی اور مصری تخیل میں بھی ملتی ہیں، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نے اس غلطی کا پردہ چاک کر دیا اور صفات کی نیرنگی سے دھوکا کھا کر، ایک کو چند سمجھنا انسان کی جہالت اور نادانی قرار دیا، قرآن نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سب خوبیاں اسی ایک پروردگار عالم کے لئے ہیں، وَلَہُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی سب اچھی صفتیں اسی کے لئے ہیں،

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اللَّهُ هِيَ آسَمَانُ وَزَمِينُ کَانُورُ هے، عرب میں اسی ہستی کو صفتِ رحم سے متصف کر کے عیسائی اس کو رحمان کہتے تھے۔ عام مشرکین عرب اس کو اللہ کہتے تھے۔ قرآن نے کہا: قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَدْعُوا الرَّحْمَنَ أَيَّامًا نَّدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ یعنی اس کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر، جو کہہ کر پکارو، سب اچھے نام یا اچھی صفتیں اسی کی ہیں فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ پس اللہ وہی پیارا ہے، یا وہی کام بنانے والا ہے، وہی مُرد کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اَلَا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ، ہشیار بیشک وہی اللہ غفور اور رحیم ہے، بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے هُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهُ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهُ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ (دُخَان) وہی آسمان میں اللہ ہے اور وہی زمین میں اللہ ہے اور وہی حکیم و علیم، حکمت والا اور جاننے والا ہے إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ (دُخَان) وہی سُننے والا، علم والا ہے، جو آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ آسمانوں اور زمین کے بیچ میں ہے سب کا رب ہے اگر تم کو یقین آئے، اس کے سوا کوئی اللہ نہیں، وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے، وہی تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا رب ہے۔ یعنی وہی برہما ہے، وہی شیو ہے، وہی دشنو ہے، تینوں ایک ہی کی صفتیں ہیں۔ صفات کے تعداد اور اختلاف سے موصوف میں تعدد اور اختلاف نہیں۔

فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ	اللہ ہی کے لئے سب خوبی ہے جو رب
الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَلَهُ	ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا، رب
الْكِبَرِيَاءِ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ	ہے سائے جہاں کا، اور اسی کو ہے سب

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

(جاثیہ ۴۷)

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ
الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ هُوَ اللَّهُ
الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ أَمَّا
الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ
الْمُهَيَّمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ
سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝
هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ
لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ
مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

(حشر ۳۷)

بڑائی آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی
زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ
نہیں، چھپے اور کھلے کا جاننے والا وہی
ہے مہربان رحم والا وہی اللہ ہے جس
کے سوا کوئی اللہ نہیں، وہ بادشاہ پاک،
صلح و امن، دینے والا، پناہ میں
لینے والا، زبردست دباؤ والا ہے بڑا
والا۔ پاک ہے اللہ ان باتوں سے جن
کو یہ مشرک لوگ اس کا شریک ٹھہرتے
ہیں، وہی اللہ ہے جو خالق ہے جو عدم
لے والا ہے جو صورت گری کرنے والا
ہے، اسی کیلئے ہیں سب اچھے نام (یاسب
اچھی صفتیں) جو کچھ آسمانوں میں اور زمین
میں (مخلوقات) ہے سب اُس کی تسبیح
پڑھتی ہیں، وہی غالب (اور) دانا ہے۔

ان صفتوں والے اللہ کو ہم نے صرف پیغام محمدی ہی کے ذریعہ سے جانا
ہے، ورنہ دوسروں نے تو ذات سے صفات کو الگ کر کے ایک اللہ کے چند
ٹکڑے کر ڈالے تھے، سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ سے مراد وہی شرک ہے
جو صفات کو ذات سے الگ کر کے لوگوں نے اختیار کیا تھا، اس پیغام نے بتایا
کہ وہی اللہ ہے، وہی خالق ہے، وہی باری ہے، وہی مصور ہے، وہی مالک ہے

وہی قدوس ہے، وہی مومن ہے، وہی عزیز و جبار ہے اور وہی رحمان و رحیم ہے۔ ایک ہی ذات کی یہ سب صفیتیں ہیں، اور وہ ایک ہے۔

۳۔ شرک کا تیسرا سرچشمہ، افعال الہی کی نیرنگی ہے، لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ ان مختلف افعال کی کرنے والی مختلف ہستیاں ہیں، کوئی مارتی ہے، کوئی جلاتی ہے، کوئی لڑائی لڑواتی ہے، کوئی صلح کرواتی ہے، کسی کا کام محبت ہے، کسی کا کام عداوت ہے، کوئی علم کا دیوتا ہے، کوئی دولت کی دیوی ہے۔ غرض ہر کام کے الگ الگ سیکڑوں اللہ ہیں، اسلام نے ان نادانوں کو بتایا کہ یہ سب ایک ہی اللہ کے کام ہیں۔

تمام افعال کی دو بڑی تقسیمیں ہیں۔ ایک خیر اور ایک شر، یا یوں کہو کہ ایک اچھی اور دوسری بُری، اس خیال سے کہ ایک ہی ذات سے خیر اور شر کے دو متضاد کام نہیں ہو سکتے۔ زردشتیوں نے خیر اور اچھے کاموں اور اچھی چیزوں کیلئے الگ اللہ، شر اور بُرے کاموں اور بُری چیزوں کیلئے الگ اللہ ٹھہرایا، پہلے کا نام یزدان اور دوسرے کا اہرمن رکھا، اور دنیا کو اس یزدان اور اہرمن کی باہمی کشش کا مرکز گاہ ٹھہرایا غلطی اسلئے ہوئی کہ وہ خیر و شر کی حقیقت نہیں سمجھ سکے۔ دوستو! خیر و شر دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے، کوئی شے اپنے اصل کے لحاظ سے نہ خیر ہے نہ شر، وہ خیر اور شر انسانوں کے صحیح استعمال یا غلط استعمال سے بن جاتی ہے، فرض کرو آگ ہے، اگر اسی سے کھانا پکا دیا انجن چلا دیا غریب کو تو اپنے کو دو تو یہ خیر ہے اور اگر اسی سے کسی غریب کا گھر جلا دیا تو یہ شر ہے۔ آگ اپنی اصل کے لحاظ سے نہ خیر ہے نہ شر، تم اپنے استعمال سے اس کو خیر یا شر بنا دیتے ہو، تلوار خود نہ خیر ہے نہ شر، تم اس کو جیسا استعمال کرو، ویسی ہی ہے۔ نارنجی نہ خیر ہے نہ شر، اگر تم اس کو لوگوں کے گھر میں چوری کا ذریعہ بنا دو شر، اور اگر اپنے کو بھیا کر نیکیوں کے کرنے کا وقت بناؤ، یا انسان

کے حواس کے آرام و سکون اور راحت کا ذریعہ بناؤ تو خیر ہے۔

اللہ نے یہ کائنات بنائی، آسمان و زمین بنائے، مادہ کو خلق کیا۔ اشیاء میں خاصیتیں رکھیں اور ان کو مختلف قوتیں بخشیں پھر انسان کو بنایا، اس کو دل و دماغ بخشا، عقل و حکمت دی اب دیکھو کہ کیا انسان اس کائنات کی ترتیب، اشیاء کی ترتیب اور خاصیتوں کو دیکھ کر ایک خالق و قادر کی صنعت کاری اور صورت گیری پر تعجب کرتا ہوا فِتْبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ، پڑھ کر حضرت ابراہیمؑ کی طرح یہ پکار اُٹھا اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ میں نے اپنا منہ سب طرف سے پھیر کر اُس ذات کی طرف کر لیا، جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا، اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں۔“ دوسری طرف اسی مادہ اور اس کی قوتوں اور خاصیتوں کی ظاہر داریوں میں پھنس کر انسان کے دل و دماغ کی عقل و حکمت، اللہ کا انکار کر بیٹھتی ہے اور مادہ ہی کو اصل کائنات اور علتِ العلل سمجھنے لگتی ہے اور یہ کہہ اٹھتی ہے: وَمَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا مِیْلُنَا اِلَّا الدَّهْرُ (حاشیہ) اس دنیاوی زندگی کے علاوہ پھر کوئی دوسری زندگی نہیں، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو زمانہ کے سوا کوئی اور نہیں مارتا۔“ کائنات اور اس کے عجائبات اور خواص، ہر شخص کے سامنے ایک ہی ہیں البتہ دماغ ہزاروں ہیں، ان کو دیکھ کر ایک دماغ اللہ پرست ہو جاتا ہے اور اور دوسرا گمراہ اور دہریہ بن جاتا ہے، غور کرو تو معلوم ہو گا کہ ایک ہی چیز ہے جو ہدایت کرنے والی اور گمراہ کرنے والی دونوں ہے، یا یوں کہو کہ، کائنات اپنے اصل کے لحاظ سے نہ ہدایت کرنے والی ہے، نہ گمراہ کرنے والی، تم اپنی عقل کے اختلاف سے ہدایت پاتے ہو، یا گمراہ ہو جاتے ہو، تو گویا ایک ہی کائنات ہادی بھی

ہے اور مضل بھی جس طرح اللہ کے اس کام (مادہ) کے دونوں نتیجے ہیں، اسی طرح اللہ کے پیغام کے بھی دونوں نتیجے ہیں، اسی قرآن یا انجیل کو پڑھ کر ایک انسان اللہ کو مانتا ہے، پہچانتا ہے اور تسلی پاتا ہے، اور دوسرے کے دل میں شبہ پیدا ہوتے ہیں، خطرات آتے ہیں اور انکار کی طرف مائل ہو جاتا ہے، پیغام ایک ہے، البتہ دل دو ہیں اور یہ دونوں دل اور دونوں دماغ ایک ہی خالق کے مخلوق ہیں، دو خالق نہیں ہیں، نتیجہ کیانکار؟ یہ نکلا کہ افعال کی دوئی فاعل کی دوئی کی دلیل نہیں، یہ تمام نیزنگیاں ایک ہی قدرت کے تہمتے ہیں، خیر و شر دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں، ہدایت اور ضلالت دونوں ادھر ہی سے ہیں۔

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا، وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَيْرُونَ ۚ (بقرہ ۳)

اپنے اس کلام کے ذریعہ وہ (اللہ) بہتوں کو راہ راست نہیں دکھاتا (یا گمراہ کرتا ہے) اور بہتوں کو راہ راست دکھاتا ہے ان ہی کو راہ راست نہیں دکھاتا جو اللہ کے عہد کو باندھ کر توڑتے ہیں، جو اُس کو کاٹتے ہیں جس کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور جو زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہی ہیں گھاسٹا اٹھانے والے۔

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۚ (بقرہ ۳۲)

اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ان آیتوں سے معلوم ہوگا کہ ہدایت اور ضلالت دونوں کی علتِ اعلیٰ ہی ہے، مگر دونوں کے لئے ابتدائی محرکات تمہارے ہی ہوتے ہیں، تم نے فسق کیا

قطع رحم کیا، فساد کیا، کفر کیا، تو اس کے بعد ضلالت آئی، ضلالت پہلے اور فسق و فجور بعد کو نہیں آیا۔

اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور بتا دیا کہ یہ راستہ منزل مقصود کو جاتا ہے، اور یہ عمیق غار میں ان کو لے کر جل کے گرا دیتا ہے، فرمایا:

إِنَّا هَدَيْنَاكَ السَّبِيلَ إِنَّمَا شَاكَرْنَا
وَمَا كَفَرُوا (دھر)

تمام دُنیا کی ابھی بُری چیزوں کا وہی ایک خالق ہے، ارشاد ہوا:
اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (مومن)

اور اللہ نے تم کو پیدا کیا اور جو تم بناتے ہو اس کو پیدا کیا۔
(صافات ۳)

لیکن،

أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ (طہ ۲)

اب تم ہو جو اس کو ہدایت اور ضلالت اور خیر و شر بنالیتے ہو، اگر غلط راہ پر چلے تو ضلالت ہوئی، صحیح راہ چلے تو ہدایت ہوئی۔ صحیح مصروف میں استعمال کیا تو خیر، اور غلط استعمال کیا تو شر، ورنہ کوئی چیز اپنی اصل کی رُو سے ہدایت ہے، نہ ضلالت، خیر ہے نہ شر، اس لئے خیر و شر کو دو چیزیں سمجھ کر دو اللہ کی ضرورت نہیں، بلکہ ایک ہی اللہ ہے جو ان دونوں کا خالق ہے۔

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرِزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ
کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے، وہی تم کو آسمان اور زمین سے روزی

إِلَّا هُوَ فَإِنَّ تَوَفَّلَكُونَ هُ

(فاطر ۱۴)

دیتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں
تو تم کہہ لٹے جاتے ہو؟

اللہ نے اپنا پیغام تمہارے سپرد کر دیا، اب تم اُس کو مانو یا نہ مانو۔
ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ
اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ
ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ
وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ إِذِ
هِيَ مِنَ اللَّهِ -

پھر ہم نے کتاب کا وارث اُن کو بنایا
جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چُن لیا
تو ان میں کوئی اپنی جان کا بُرا کرتا ہے
اور کوئی ان میں سے نیچ کی چال چلتا
ہے اور کوئی اللہ کے حکم سے خویاں
لے کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

(فاطر ۲۴)

وَمَا آصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ
فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ
كَثِيرٍ - (شوری ۴۱)
فَالْتَمِهَافُ جُورَهَا وَتَقْوَاهَا
قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا، وَقَدْ
خَابَ مَنْ دَسَّاهَا -

اور جو پڑے تم پر مصیبت، سو اُس کا
بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کیا یا،
اور وہ معاف کرتا ہے بہت سی باتوں کو۔
ہر نفس میں اللہ نے اس کی گنہگاری
اور نیکو کاری الہام کر دی ہے تو جس
نے اس (نفس) کو پاک کیا، اس نے
نجات پائی اور جس نے اس کو مٹی میں
(شمس)

ملا یا وہ ناکام ہوا۔

۴۔ اللہ کی عبادت ہر مذہب میں تھی اور ہے، لیکن قدیم
مذہب میں ایک عام غلط فہمی پھیل گئی تھی کہ عبادت کا مقصد
جسم کو تکلیف دینا ہے، یا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ یہ خیال
پیدا ہو گیا تھا کہ جس قدر اس ظاہری جسم کو تکلیف دی جائے

گی، اسی قدر روحانی ترقی ہوگی اور دل کی اندرونی صفائی اور پاک پڑھے گی، اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوؤں میں عام طور سے جوگ اور عیسائیوں میں رہبانیت پیدا ہوئی اور بڑی بڑی مشکل ریاضتوں کا وجود ہوا اور ان کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھا گیا۔ کوئی عمر بھر نہانے سے پرہیز کر لیتا تھا کوئی عمر بھر ٹاٹ یا کمبل اوڑھے رہتا تھا، کوئی ہر موسم میں یہاں تک کہ شدید جاڑوں میں بھی ننگا رہتا تھا۔ کوئی عمر بھر کھڑا رہتا تھا، کوئی عمر بھر کے لئے غار میں بیٹھ جاتا تھا کوئی ساری عمر دھوپ میں کھڑا رہتا تھا، کوئی عمر بھر کے لئے کسی چٹان پر بیٹھ جاتا تھا کوئی عہد کر لیتا تھا کہ پوری زندگی صرف درختوں کی پتیاں کھا کر گزارے گا، کوئی عمر بھر تجرد میں گزار دیتا تھا اور قطع نسل کو عبادت سمجھتا تھا، کوئی ایک ہاتھ ہوا میں کھڑا رکھ کر سکھا ڈالتا تھا، کوئی جس دم یعنی سانس روکنے کو عبادت جانتا تھا، کوئی درخت میں الٹا لٹک جاتا تھا۔ یہ تھا اسلام سے پہلے اللہ پرستی کا اعلیٰ درجہ اور روحانیت کی سب سے ترقی یافتہ شکل، پیغام محمدیؐ نے اگر انسانوں کو ان مہیبتوں سے نجات دلائی اور بتایا کہ یہ روحانیت نہیں جسمانی تماشے ہیں، ہمارے اللہ کو جسم کی شکل نہیں بلکہ دل کا رنگ مرغوب ہے، طاقت سے زیادہ تکلیف اس کی شریعت میں نہیں۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِدًّا وَشَعَهَا۔ اللہ کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ کا حکم نہیں دیتا۔ (بقرہ ۴۰)

اسلام نے اس رہبانیت کو بدعت قرار دیا اور کہا۔

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا، مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِمْ۔ اور رہبانیت جس کو انہوں (عیسائیوں) نے دین میں داخل کر دیا، ہم نے ان پر اس کو فرض نہیں کیا تھا۔ (حدید ۴)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا:

لَا صُرَّةَ فِي الْإِسْلَامِ (ابوداؤد) اسلام میں رہبانیت نہیں۔

جن لوگوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی جائز لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا

اُن سے قرآن نے یہ سوال کیا:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ (اعراف ۳۱) کہو کس نے اللہ کی آرائش جس کو اُس نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کیا حرام کی؟

یہاں تک کہ خود پیغمبر اسلام علیہ السلام نے ایک دفعہ اپنے اوپر شہد

حرام کر لیا، تو تنبیہ ہوئی:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ - (تحریم) اے پیغمبر! خدا نے جس کو تیرے لئے حلال کیا ہے، اسکو حرام کیوں کرتا ہے۔

پیغام محمدی نے سب سے پہلی دفعہ دنیا کو بتایا کہ عبادت کا مقصود فقط ایک

ہے اور وہ یہ کہ بندہ اللہ کے آگے اپنی بندگی کا اقرار کرے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝ جو میری عبادت سے سرکشی کرنے ہیں عنقریب جہنم میں ذلت کے ساتھ داخل ہوں گے۔ (مومن ۶)

یعنی عبادت یہی ہے کہ بندہ میں سرکشی نہ ہو، یہی چیز عبادت کے مختلف

ارکان کو بجا لاکر انسان ظاہر کرتا ہے کہ وہ اللہ سے سرکش نہیں، بلکہ اس کا

اطاعت گزار اور فرمان بردار ہے۔

اسلام میں عبادت کی غایت اور نتیجہ کیا ہے؟ فقط حصولِ تقویٰ۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (مائدہ ۱) اے لوگو! تم اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا۔

کیا، تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (بقرہ ۳۷)

نماز سے فائدہ یہ ہے کہ:

یقیناً نماز کھلی بدکاریوں اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے۔

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ
وَالْمُنْكَرِ - (عنکبوت ۵۷)

روزوں سے مقصود یہ ہے:

اے مسلمانو! تم پر اسی طرح روزہ فرض کیا گیا، جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کیا گیا، تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن
قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

(بقرہ: ۲۲۷)

حج سے مطلب یہ ہے:

تاکہ اپنے نفع کی جگہوں پر لوگ نہ چلیں
اور تاکہ چند معلوم دنوں میں جو جانوروں
کی روزی اللہ نے ان کو دی ہے اس
پر اللہ کو یاد کریں۔

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا
اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ
عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ

(حج ۴)

زکوٰۃ سے مقصود، اپنے دل کی صفائی اور غریبوں کی مدد ہے۔

جو دیتا ہے اپنا مال دل کی صفائی
کرنے کو اور نہ اس لئے کہ کسی کا کوئی
احسان اس کے ذمہ ہے جس کا بدلہ چکا تا
ہے، صرف اللہ تعالیٰ کی طلبِ رضا

الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ، وَ
مَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ
إِلَّا أَتَتْغَاءَ وَجْهَ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ.

(اللیل)

مقصود ہے

نکاح کرنا اور نسل کو ترقی دینا اسلام کے پیغمبر کی سنت ہے۔ آپ نے فرمایا:

النَّكَاحِ مِنْ سُنَّتِي وَمَنْ رَغِبَ
عن سنتی فَلَيْسَ مِنِّي - نکاح میرا طریقہ ہے اور جس نے میرے
طریقہ سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں۔

قرآن مجید نے اولاد و ازواج کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنایا اور مسلمانوں کو
اس خواہش کا متمنی قرار دیا۔

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا
مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ
أَعْيُنٍ - (الفرقان ۶۷) اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو
ہماری بیبیوں اور بچوں کے ذریعہ سے
آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر۔

منجملہ دوسری عبادتوں کے ایک عبادت قربانی بھی تھی، لوگ اپنے آپ کو
دیوتاؤں پر قربان کر دیتے، اپنی اولاد کو اپنی ملک سمجھتے اور ان کو بھینٹ چڑھا
دیتے تھے، دیوتاؤں کو خون کے چھینٹے دیے جاتے تھے، جو جانور قربانی کئے جاتے
تھے، ان کا گوشت جلایا جاتا تھا کہ اس کا دھواں دیوتاؤں کو خوش کرتا تھا، یہودی
اس لئے قربانی کے گوشت کو جلاتے تھے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے اکر بتایا کہ قربانی سے مقصود کیا ہے۔ آپ کے پیغام نے انسانوں کی قربانی قطعاً
موقوف کر دی، جانوروں کی قربانی جائز رکھی، مگر نہ تو ان کے خون کے چھینٹے دینے کا
حکم دیا اور نہ گوشت کے جلانے کا۔ اس نے قربانی کی مصلحت یہ بتائی :

وَالْبُذُنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِزَّةً
شَعَارِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا حَيْرٌ فَأَذْكُرُوا
اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَاتٍ ۚ فَإِذَا
وَجِبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَ
أَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذَلِكَ
سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ اور حج کی قربانیوں کو ہم نے تمہارے لئے
اللہ کے نام کی نشانی بنائی۔ تمہارے
لئے ان قربانیوں میں بھلائی ہے تم ان
پر اللہ کا نام پڑھو قطار باندھ کر اور جب
وہ ذبح ہو چکیں تو ان میں سے کچھ تم خود
کھاؤ اور باقی صابر اور بے قرار غریبوں کو

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا
دِمَاؤُهَا، وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ
مِنْكُمْ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ
وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَذَا بِكُمْ
وَلِتُبَشِّرَ الْمُحْسِنِينَ ۝
(عج : ۵)

کھلا دو، اسی طرح ہم نے یہ جانور تمہارے
بس میں دیدیے ہیں، نہ انکے تمہارا شکر ادا
کرو ہرگز اللہ کو ان قربانیوں کا گوشت اور
خون نہیں پہنچتا، لیکن تمہارے دل کا تقویٰ
اس کو پہنچتا ہے۔ اسی طرح ان کو تمہارا
بس میں دے دیا تاکہ اس بات پر کہ اللہ
نے تم کو راہ سجھائی، اُس کی بڑائی کرو،
اور نیکی والوں کو (ایسے پیغمبر) بشارت سنائے۔

اسی قربانی کے غلط عقیدہ نے یہ مسئلہ پیدا کر دیا تھا کہ ہر انسان کو اپنی جان
پر آپ قابو ہے اور وہ اس کی ملکیت ہے اسی طرح اس کی اولاد کی جان بھی اسکی
ملکیت ہے، بیوی کی جان اس کے شوہر کی ملکیت ہے۔ اس ایک غلط اصول نے
خودکشی، دخر کشی، اولاد کو بھینٹ چڑھا دینا، یا ان کو مار ڈالنا اور شوہر کے مرنے
کے بعد بیوی کا سستی ہو جانا، سیکڑوں انسانیت کش رسوم پیدا کر دیئے تھے۔ پیغام محمدی نے
ان سب کی یخ کنی کر دی، اُس نے اپنا اصول یہ مقرر کیا کہ تمام جانیں صرف اللہ کی
ملکیت ہیں اور ان کا قتل صرف اللہ کے حق کی بنابر ہو سکتا ہے۔ اسی لئے غیر
اللہ کی نام پر جو جانور ذبح کیا جائے اس کا کھانا ناجائز ہے، خودکشی کرنے والوں
پر اپنی جنت بھی اُس نے حرام کر دی اسلام کے سوا تمام دنیا میں اور اس وقت
بھی یورپ اور امریکہ جیسے مہذب ملکوں میں مشکلات سے بچنے کی بہترین تدبیر
خودکشی سمجھی جاتی ہے۔ قانون اس کو روکنا چاہتا ہے اور نہیں روک سکتا، کیونکہ ہر شخص اپنی
جان کو اپنی ملکیت سمجھ رہا ہے اور اس کو دنیا کی مصیبتوں سے چھٹکارے کا ذریعہ یقین کرتا ہے
اور سمجھتا ہے کہ اس موت کے بعد یا تو کوئی زندگی نہیں اور اگر ہے بھی تو اللہ ہم سے ہمارے

اس فعل کی کچھ باز پرس نہ کرے گا۔ مگر اسلام نے بتایا کہ ہر جان ہماری نہیں بلکہ اللہ کی ملکیت ہے، اور اس لئے خودکشی کے ذریعے سے مصیبتوں سے چھٹکارے کا خیال غلط ہے، کیونکہ اس طرح اپنی جان دینے پر دوسری دنیا میں مصیبتوں سے بھی زیادہ بڑی مصیبت زندگی شروع ہو جائے گی۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ،
اور نہ مارو جان جو منع کی ہے اللہ نے مگر حق پر۔
وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ
اور اپنے آپ کو نہ مارو، بیشک
بِكُمْ رَحِيمًا ۖ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ
اللہ تم پر مہربان ہے (اور اس لئے
عَدُوًّا وَنَاوُظْلَمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ
مہربانی کے سبب سے تم کو یہ حکم دیتا
نَارًا ۖ (نساء ۵)
ہے) اور جو اللہ کے حکم سے آگے بڑھ کر اور
اپنے آپ پر ظلم کر کے ایسا کرے گا، تو ہم
اس کو دوزخ کی آگ میں بٹھائیں گے۔

دختر کشی عرب میں جاری تھی، ہندوستان کے راجپوتوں میں جاری تھی،
دنیا کے اور ملکوں میں جاری تھی، عرب میں تو یہ سنگدلی تھی کہ لڑکیوں کو زندہ دفن
کر دیتے تھے، پیغام محمدی کے ایک فقرہ نے اس رسم باطل کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا۔
وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ
اور جس دن زندہ دفن کی جانے والی
ذَنْبٍ قُتِلَتْ،
لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس
گناہ میں ماری گئی۔
(تکویر آیت ۹۰۸)

اپنی اولاد کو قتل کرنا عرب میں جرم نہ تھا۔ آج بھی اس تہذیب کے عالم
میں کثرت سے بچے اس لئے قتل کر دیئے جاتے ہیں کہ ان کی پرورش کا کوئی سامان
نہیں، کہا جاتا ہے کہ ملک کی پیداوار کم ہے، اس لئے مردم کو بڑھنے سے روکنا
چاہیئے۔ عرب میں اور دوسری قوموں کے قانون میں بچے کے پیٹ سے گرا دینے یا

ایسے بچے کے قتل پر کوئی پرسش نہ تھی، یونان میں نو مولود بچوں کا معائنہ کیا جاتا تھا اور ان میں سے کمزور بچوں کے جینے کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا تھا، اس کو پہاڑ سے نیچے گرا کر مار ڈالتے تھے۔ اور آج بھی ضبطِ تولید (برتھ کنٹرول) کے نام سے یہی کچھ کیا جا رہا ہے۔

اسلام نے یہ اصول بتایا کہ روزی کوئی کسی کو نہیں دیتا، وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ زمین میں کوئی چلنے والا نہیں، لیکن اس کی روزی اللہ پر ہے، اس لئے اس نے کہا:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً
إِمْلَاقٍ، نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ
إِن قَتَلْتَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً،
اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے نہ مار ڈالو
ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو،
بیشک ان کا مارنا بڑی غلطی ہے۔
(یہی اسرائیل)

دنیا کی عظیم نشانِ غلطیوں میں سے جواب بھی دنیا کے اس حصہ میں قائم ہیں، جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام قبول نہیں کیا گیا، ایک یہ ہے کہ لوگوں نے اللہ کے بندوں کے درمیان حسب و نسب، مال و دولت، رنگ و روپ، صورت و شکل کی دیواریں قائم کر دی ہیں، ہندوستان نے ابتدا سے آج تک اپنے سوا سب کو پلھ اور ناپاک قرار دیا، اور خود اپنے کو چار ذاتوں میں تقسیم کر کے ان میں عزت اور حقوق کی ترتیب قائم کی، شودروں کو مذہب کا بھی حق نہ تھا، قدیم ایران میں بھی یہ چار ذاتیں اسی طرح قائم تھیں۔ رومنس نے اپنے کو آقائی اور اپنے سوا سب قوموں کو غلامی کے لئے مخصوص کر لیا۔ بنی اسرائیل نے صرف اپنے آپ کو اللہ کی اولاد قرار دیا اور سب کو جینٹل (چنڈال) قرار دیا، اور خود اپنی قوم کے اندر بھی مختلف بیرونی مدارج قائم کر دیئے، خود یورپ کا

اس تہذیب اور انسانی محبت و مساوات کے دعوے کے باوجود کیا حال ہے، سپید آدمی تہذیب و تمدن کا ٹھیکہ دار اور اس بارگراں کا امین قرار دیا گیا ہے کالی قومیں اس کی برابری کے لائق نہیں ہیں، ایشیائی قومیں ان کے ساتھ سفر میں بھی ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتیں۔ بعض ملکوں میں ان کے محلوں (کوارٹرس) میں رہ بھی نہیں سکتیں، اور ان کے حقوق کی برابری نہیں کر سکتیں، امریکہ کے انسانیت پرستوں کی نگاہ میں وہاں کے حبشی باشندوں کو جینے کا بھی حق نہیں ہے اور جنوبی و مشرقی افریقہ میں تو حبشیوں بلکہ ہندوستانیوں بلکہ ایشیائیوں کو بھی انسانی حقوق کی برابری نہیں مل سکتی، حقوق دنیاوی سے گزر کر یہ تفرقہ اللہ کے گھروں میں بھی قائم ہیں۔ کالوں کے گرجے الگ ہیں اور گوروں کے الگ۔ اللہ کے یہ دونوں کالے اور گولے بندے ایک ساتھ ایک اللہ کے آگے نہیں جھک سکتے پیغام محمدیؐ نے ان تمام تفرقوں کو مٹا دیا، اس کے نزدیک حسب و نسب، مال و دولت، شکل و صورت ان میں سے کوئی چیز اختیار نہیں پیدا کر سکتی۔ وہ قریش جن کو اپنے حسب و نسب پر غرور و ناز تھا، فتح مکہ کے دن کعبہ کے حرم میں کھڑے ہو کر ان کو اپنے یہ بتایا:

یا معشر قریش ان الله قد	اے قریش کے لوگو! اب جاہلیت کا غرور
اذهب عنکم نخوة الجاهلیة	اور نسب کا فخر اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا،
وتعظیہا بالاباء الناس من ادم و	تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور
ادم من تراب (ابن حشام)	آدم مٹی سے بنے ہیں۔

حجۃ الوداع کے مجمع میں پھر اعلان کیا:

لیس للعربی فضل علی العجمی ولا	عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی
للعجمی فضل علی العربی، کلکم	فضیلت نہیں ہے، تم سب کے سب

ابناء آدم وادم من تراب - آدم کے بیٹے ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ (مسند احمد)

پھر بتایا کہ اصلی فرق عمل کا ہے۔

ان الله اذ هب عنكم عبية
الجاهلية و فخرها بالاباء
انما هو مومن تقى و فاجرتقى الناس
كلهم بنو ادم و ادم خلق من تراب
(ترمذی و ابو داؤد)

اللہ نے جاہلیت کے زمانہ کے غرور اور
نسب کے فخر کو مٹا دیا، انسان اب یا
متقی ایماندا ہے اور یا گنہگار بدبخت
ہے، تمام انسان آدم کے بیٹے ہیں اور
آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔

وحی محمدیؐ نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے بتایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ
ذَكَرٍ وَ أُنْثَىٰ وَ جَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا
وَ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ
عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ -
(حجرات: ۲۷)

اے انسانو! تم سب کو اللہ نے ایک
ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو
قبیلہ قبیلہ اور خاندان خاندان صرف اسی
لئے بنا دیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان
سکو، خدا کے نزدیک سب سے شریف
وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ
بِآيَاتِي تُقَرَّبُكُمْ عِنْدَ نَازِلِي
إِلَّا مَنْ آمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا
فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الْوَصْفِ
بِمَا عَمِلُوا (سباء: ۱۵)

نہ تمہاری دولت اور نہ تمہاری اولاد وہ
چیز ہے جو تمہارا درجہ ہمارے پاس نزدیک
کر دے، لیکن جو کوئی ایمان لایا اور اس
نے اچھا کام کیا، ان کو اپنے کام کا دوا
بدلہ ملے گا۔

تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی کا رتبہ دیا اور یہ پیغام ملا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ، تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، اور آپ نے اسی کے مطابق حجۃ الوداع میں ایک لاکھ انسانوں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ المسلم اخو المسلم ”بہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے“ اس برابری اور برادری نے کالے، گورے، عجمی، عربی، ترکی، تاتاری، زنگی اور فرنگی کا فرق اٹھا دیا اور اللہ تعالیٰ نے اُن پر اپنا یہ احسان جتایا کہ، فَاصْبِرْهُمْ يَوْمَئِذٍ اِخْوَانًا ”اللہ کے فضل سے تم سب کے سب اب بھائی بھائی ہو گئے۔“ اللہ کے گھر میں کوئی فرق نہیں، حسب و نسب کا کوئی فرق نہیں، غربت اور امارت کا کوئی فرق نہیں، اللہ کے آگے سب برابر ہیں، یہاں نہ کوئی برہمن ہے نہ شہور۔ قرآن سب کے ہاتھ میں دیا جائے گا، نماز سب کے پیچھے پڑھی جائے گی، رشتہ ناتا ہر ایک کے ساتھ ہو سکتا ہے، علم ہر ایک کا حق ہے، اور حقوق سب کے یکساں ہیں، یہاں تک کہ خون بھی سب کا برابر ہے النفس بالنفس ”جان کے بدلے جان“

تیرے دربار میں آئے تو سبھی ایک ہوئے

عزیز نوجوانو! میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارے سامنے پیغام محمدی کے احسان کو ایک ایک کر کے گننا دوں، مگر افسوس کہ بقدر حوصلہ فرصت نہیں، اور اس بحر نابید انار کی تھاہ بھی نہیں۔ عورتوں کو جو حقوق پیغام محمدی نے دیئے ہیں اور غلاموں کو جس حد تک اُس نے عزت دی ہے، جی چاہتا تھا کہ اس کو بھی تمہارے سامنے پھیلاؤں اور دکھاؤں کہ یورپ بالینہمہ دعوائے بلندی، ہنوز اسلام کے اوج خیال سے نیچے ہے، مگر افسوس کہ وقت نہیں۔

دنیا میں جس چیز نے سب سے زیادہ گمراہی پھیلائی، وہ دین اور دنیا کا فرق ہے۔ دین کا کام الگ کیا گیا، اور دنیا کا الگ، اللہ کا کام الگ ٹھہرایا گیا اور

قیصر کا حکم الگ، دنیا کے حصول کا الگ راستہ بتایا گیا اور دین کے حصول کا الگ نوہالان اسلام! یہ سب سرسری غلطی تھی جو دنیا میں پھیلی تھی، اس غلطی کا پردہ پیغام محمدی کی نوازا فکرن شاعروں نے چاک کر دیا۔ اس نے بتایا کہ اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ اسی دنیا کے کاموں کو اللہ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق انجام دینا دین ہے۔ یعنی اللہ کے اصول کے مطابق دنیا داری ہی دینداری ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ ذکر و فکر، گوشہ نشینی و عزت گیری کسی غار اور پہاڑ کے کھوہ میں بیٹھ کر اللہ کو یاد کرنا دینداری ہے اور دوست و احباب، آل و اولاد، ماں باپ، قوم و ملک اور خود اپنی آپ مدد، فکر معاش اور پرورش اولاد دنیا داری ہے۔ اسلام نے اس غلطی کو مٹایا اور بتایا کہ اللہ کے حکم کے مطابق ان حقوق اور فرائض کو بخوبی ادا کرنا بھی دینداری ہے۔

اسلام میں نجات کا مدار دو چیزوں پر ہے، ایمان اور عمل صالح۔ ایمان پانچ چیزوں پر اعتقاد کا نام ہے، اللہ پر، نیکی کی راہ بتانے والے پیغمبروں پر، پیغمبروں تک اللہ کا پیغام لانے والے فرشتوں پر، ان کتابوں پر جن میں اللہ کے یہ پیغام ہیں، اس پیغام الہی کے مطابق عمل کرنے والوں یا عمل نہ کرنے والوں کی جزا و سزا پر۔ ان ہی پانچ باتوں پر یقین رکھنا ایمان ہے۔ اسی ایمان پر عمل کی بنیاد قائم ہے کیونکہ اس ایمان و یقین کے بغیر نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ کوئی عمل نہیں ہو سکتا۔ دوسری چیز عمل ہے، یعنی یہ کہ ہمارے کام صالح اور نیک ہوں۔ عمل کے، جیسا کہ میں نے ساتویں خطبہ میں کہا ہے تین حصے ہیں، ایک عبادت یعنی وہ عمل جن کے ذریعہ اللہ کی بڑائی اور بندہ کی بندگی کا اظہار ہوتا ہے۔ دوم معاملات یعنی انسانوں کے آپس کے لین دین کا روبرو اور نظم ملت کے قوانین اور قاعدے جن کی وجہ سے انسانی معاشرت

بربادی اور ہلاکت سے بچی رہتی ہے اور ظلم مٹ کر عدل قائم ہوتا ہے اور رسوم اخلاق یعنی وہ حقوق جو باہم ایک دوسرے پر گونا گونی حیثیت سے فرض نہیں ہیں، مگر روح کی تکمیل اور معاشرت کی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ ان ہی چار چیزوں یعنی ایمان، عبادات، معاملات اور اخلاق کی سچائی اور درستی ہماری نجات کا ذریعہ ہے۔
 نوجوانو! مجھے صفائی کے ساتھ یہ کہنے دو کہ خاموشی، سکون، خلوت نشینی اور متفردانہ زندگی، اسلام نہیں ہے، اسلام جدوجہد، سعی و عمل اور سرگرمی ہے، وہ موت نہیں حیات ہے۔ اس کا فرمان یہ ہے:

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى ، انسان کے لئے وہی ہے، جو وہ
 (نجم: ۳) کوشش کرے۔

اور :

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (مذرا) ہر جان اپنے کام کے ہاتھوں گروہ ہے۔
 اسلام سر تپا جہاد اور مجاہدہ ہے لیکن خلوت میں بیٹھ کر نہیں، بلکہ میدان میں نکل کر، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے سامنے ہے۔
 خلفائے راشدینؓ کی زندگی تمہارے سامنے ہے، عام صحابہؓ کی زندگی تمہارے سامنے ہے، وہی تمہارے لئے نمونہ ہے اور اسی میں تمہاری نجات ہے اور وہی تمہارا ذریعہ فلاح ہے اور وہی ترقی اور سعادت کی راہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام بودھ کے پیغام مسیح کے پیغام کی طرح ترک خواہش نہیں ہے بلکہ تصحیح خواہش ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حضرت مسیح کے پیغام کی طرح دولت اور قوت کی تحقیر اور ممانعت نہیں ہے بلکہ ان کے حصول اور صرف کے طریقوں کی درستی اور اس کے صحیح استعمال اور مصرف کی تعیین ہے۔

دوستو! ایمان اور اس کے مطابق عمل صالح یہی اسلام ہے۔ اسلام

عمل ہے ترکِ عمل نہیں۔ ادا کئے واجبات ہے عدم واجبات نہیں ادا کئے فرض ہے ترکِ فرض نہیں۔ اس عمل اور ان واجبات اور فرائض کی تشریح تمہارے پیغمبر اور ان کے یارانِ باصفا کی زندگیوں اور سیرتوں میں ملے گی، جن کا نقشہ یہ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا
 محمد اللہ کے رسول اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بھاری ہیں آپس میں رحمدل ہیں، اُن کو دیکھو گے کہ وہ رکوع اور سجدہ میں ہیں، وہ اللہ کی مہربانی اور خوشنودی کو ڈھونڈ رہے ہیں۔

کافرانِ حق کے ساتھ جہاد بھی قائم ہے، آپس میں برادرانہ الفت کے جذبات بھی ہیں، اللہ کے سامنے رکوع میں جھکے اور سجدہ میں گرے بھی ہیں اور پھر دنیا میں اللہ کی مہربانی اور رضا کے طالب ہیں ”خدا کی مہربانی“ (فضل) قرآنِ پاک کی اصطلاح میں روزی اور معاش کو کہتے ہیں، اس روزی و معاش میں بھی دین کی طلب جاری ہے۔

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ
 یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ (نور ۵)

تجارت، خرید و فروخت اور کاروبار بھی جاری اور اللہ کی یاد بھی قائم ہے، وہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو نہیں ڈھونڈتے، بلکہ دونوں کو ساتھ ساتھ درکے جامِ شریعت، درکے سیندانِ عشق

مسلمانوں اور رومیوں میں جنگ ہے۔ صحابہ فوج کے سپاہی ہیں سپہ سالار
 ان مسلمان سپاہیوں کی حالت دیکھنے کے لئے اسلامی کیمپ میں چند جاسوس
 بھیجتا ہے، وہ یہاں آکر اور مسلمانوں کو دیکھ کر واپس جاتے ہیں تو سرتاپا اثر میں
 ڈوبے ہوتے ہیں، وہ جا کر رومی سپہ سالار کو بتاتے ہیں کہ مسلمان کیسے سپاہی ہیں:
 ہم باللیل رہبان وبالنهار وہ راتوں کے راہب ہیں اور دن
 کے شہسوار۔

فرسان۔
 یہی اسلام کی اصلی زندگی ہے۔

حضرات! آج سلسلہ تقریر کا آخری دن تھا، میرا خیال تھا کہ میں آٹھ
 تقریروں میں سیرت محمدیؐ اور پیغام محمدیؐ کے متعلق سب کچھ کہہ سکوں گا، مگر
 آٹھ تقریروں کے بعد بھی موضوع تفصیل کا نشہ ہے، سب کچھ کہا مگر کچھ
 بھی نہ کہا۔

دفتر تمام گشت و بیاباں رسید عمر
 ماہچنناں در اول وصف تو ماندہ ایم

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ

